دانشوری (۹)

س ا۔ مجھ سے بارہا یہ سوال کیا گیا ہے کہ ذاکر نائک اور ان کے افکار کے بارے میں میرا کیا خیال ہے اور ان کے کاموں کو میں کس نگاہ سے دیکھتا ہوں؟

ج: ذاکر نائک صاحب اس وقت ایک خاص حلقے میں سنے جاتے ہیں۔ اپنی آواز دور تک پہونچانے کا انہوں نے جتن کیا ہے۔ انہوں نے اپنی تقریروں میں چند ایسے مسائل اٹھائے ہیں جن سے ہندوستان کے وہ حلقے جو فہم دین کا خانقاہی قبوری روایتی اور تقلیدی یا شخصیت پرستانہ اپروچ رکھتے ہیں انھیں بڑی الجھن ہے۔ انہوں نے ان کی مذمت میں تردید نہیں۔ تحریری وتقریری مشن جاری کر رکھا ہے اور انھیں روکنے کے لئے ہر وہ ناجائز وسیلہ اختیار کرتے ہیں جو ان کو میسر ہو جائے۔ نجی محفلوں میں ان کی تکفیر وتفسیق اور ان کی مذمت، عوام کو ان کی بات نہ سننے کی تلقین اور دباؤ، خانقاہوں، مدارس، مساجد، محفلوں، دروس اور فتاوی میں ان کے خلاف گفتگو، حکومت کی بارگاہ میں ان کے خلاف شکایات، مظاہرے، بائیکاٹ کے نعرے....وغیرہ۔ ساری مذلوجی سرگرمیاں ان کے خلاف جاری ہیں۔ ان بے چاروں کی الجھنیں یہ ہیں کہ ان کی دکانیں خسارے میں نہ چلی جائیں۔

ابھی حال میں جناب عبداللہ سعدی کے ایک رسالے کا اشتہار نظر سے گذرا۔ انہوں نے بھی نائک کے خلاف خامہ فرسائی کی ہے۔ ان کے نام کے آگے اسعدی کی نسبت ہی اس بات کی دلیل ہے کہ نہ وہ درخور اعتناء ہیں نہ ان کی کتاب۔

ایک دوسری کتاب پاکستان سے آئی ہے ''حقیقت ذاکر نائک فکری گمراہی کا تجزیہ''۔ یہ مولانا سید خلیق ساجد بخاری کی تصنیف ہے جو مکتبہ منشورات قلم لاہور سے شائع ہوئی ہے۔ دیوبند میں بھی اس کا چھپنا لازمی تھا کہ بڑی دکان چھوٹی پڑ گئی ہے۔ اگر ہر اک شہزادہ عالمی ادارہ نہ بنائے گا، کاغذوں پر جامعات نہ کھولے گا اور پرفتن کتابیں نہ شائع کرے گا تو اس کا پیٹ کیسے بھرے گا؟

برصغیر میں جب کسی کے نام کے ساتھ سید لگا نظر آتا ہے تو دو اندیشے پیدا ہوتے ہیں۔ اول: کیا واقعی جناب سید ہیں یا خواب والے سید ہیں یا دھوبی سید ہیں یا شاہ سید ہیں۔ دوم: اگر سید صاحب نہیں تو پتہ ہیں قوم سے کیا کیا خراج عقیدت طلب کریں گے اور قوم کو کتنی قیمت چکانی ہوگی؟ ماضی قریب میں تین سیدوں کے کارنامے ہمارے سامنے ہیں اور موجودہ کئی خواب والے ملت کے لئے وبال جان ہیں۔

جناب خلیق صاحب کی کتاب ۴۹۵ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ کتاب میں ۱۸۱ صفحات دوسروں کی تردید میں ہیں۔ ۱۸۲ سے آخر کتاب ۴۹۵ تک تین سو صفحات نائک کی تردید میں ہیں اور اصل پوچھو تو اہل حدیث علماء کی تردید اور مذمت میں ہیں۔ تعجب ہے ذاکر میاں ''صحیح اہل حدیث'' بن رہے ہیں اور دیوبندی صاحبان انھیں ''ضعیف اہل الحدیث'' بنا کر تنقید کرتے ہیں بلکہ شیعہ، دیوبندی، بریلوی انھیں ''موضوع اہل الحدیث'' بنائے ہوئے ہیں۔ بے چارے اہل حدیث ہیں کہ ان کے انکار کے باوجود انھیں اہل حدیث کا سرٹیفکٹ تھماتے پھرتے ہیں۔

کتاب کیا ہے ایک بیمار ذہن مولوی کی خرافات ہے۔ حق وانصاف کے سوا اس میں سب کچھ ہے۔ بغض، نفرت، حسد، کذب، تاویل باطل، سوء فہم، تنابز بالالقاب، شیخی وتعلی، جارحیت اور تہمت تراشی کتاب کے ہر صفحے پر نمایاں ہے۔ ایسی کتابوں کی اشاعت علم، انسانیت اور حق کی توہین ہے اور مسلمانوں کو رسوا کرنے کے مترادف۔ زبان واسلوب سوقیانہ ہے اور علم دین کے عین ضد۔ اگر ذاکر نائک کی تردید شیعہ کرے تو کرے، بریلوی کرے کہ ان کے افکار وآراء واضح ہیں، کسی دیوبندی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ذاکر نائک کی تردید کرے۔ ان کے ہاں فتوی کی زبان اور سیاست کی زبان دعوت کی زبان، تصوف کی زبان، تصنیف کی زبان، تقریر کی زبان، عمل کی زبان، دعوتی کی زبان، ملفوظات کی زبان، سیر وسوانح کی زبان، تقلید کی زبان، شرح حدیث کی زبان، غرض کہ ہر زبان دوسری زبان کے بالکل الٹ۔ جن کے اتنے چہرے ہوں ان کو کیا حق بنتا ہے کہ ذاکر نائک پر قلم اٹھائیں۔ ان کا علم کلام تاویل باطل تضاد پروپیگنڈہ جعلی دین داری دینی اجارہ داری اور تعلی ہے۔

دراصل ان کی الجھن کا باعث یہ ہے کہ گھر گھر پیس ٹی وی کی پہنچ بن گئی ہے، تمام فتوؤں اور مذمتوں کے باوجود عوام اسے سنتے ہیں اور راہ راست پر آتے ہیں۔ ان مولویوں کو اس کی بڑی تشویش ہے کہ کہیں ان کا جنا دھار کھسک نہ جائے۔

انہوں نے ذاکر نائک صاحب کی پہچان ایک غیر مقلد کی پہچان بنائی ہے اور انھیں اس نام سے جوڑ کر اہل حدیثوں کے ساتھ نتھی کر دیا گیا ہے ''غیر مقلد'' کا لفظ کسی بھی اہل حدیث کے لئے طعنہ اور تہمت ہے لیکن ان بزرگوں کا کرم ہے کہ ان کی نگہ ناز جس کو جس طرح چاہے نواز دے۔ اگر شرافت، انصاف اور دینداری کا بند ھن کسی کو حق کے حدود کے اندر محصور نہ رکھ سکے اور کسی کی زبان وقلم پر ان کی گرفت نہ ہو تو ایسے لوگوں کو مظلوم کی فریاد یا انصاف کی دہائی کس طرح بیدار کر سکتی ہے اور کیسے ان کا خوابیدہ شعور وضمیر جاگ سکتا ہے؟

برصغیر میں ذاکر نائک اہل حدیثوں کے ساتھ نتھی ہو چکے ہیں۔ ان کے پاس جو بھی ہے سب اہل حدیث کا ہے: علم اہل حدیث کا، سرمایہ اہل حدیث کا، سامع اہل حدیث، واہل حدیث۔ مگر ہندوستان بھی عجیب سرزمین ہے اہل حدیث بیچارہ ہر اس شخص یا جماعت کے پیچھے بھاگنے لگتا ہے جس نے کتاب وسنت کی آواز لگائی اور اس کے پیچھے دیوانہ ہو جاتا ہے۔ جماعت اسلامی سے لے کر وقت کے ''مغل اعظم'' خان وحید الدین، خان اسرار احمد حقانی حتی کہ دعوت کے نام پر تبلیغی جماعت کے پیچھے بھاگنے لگتا ہے۔ یہ نہیں دیکھتا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا، اس کے دینی فہم اور دینی جذبے کی کیا گت بنے گی۔ اور کس طرح اس کا دینی سرمایہ لٹے گا اور دوسری طرف ان عاشقوں کے ساتھ معشوقوں کی قساوت قلبی کا یہ حال ہوتا ہے کہ :

وكل يدعي وصلا بليلى   وليلى لا تقرلهم بذاك

اعشی کا شعر بھی اہل حدیث بیچاروں کے حسب حال ہے:

علقتها عرضا وعلقت رجلا   غيرى وعلق أخرى ذلك الرجل

اچانک مجھے ایک عورت سے عشق ہو گیا جبکہ وہ کسی دوسرے مرد کے عشق پر دیوانہ تھی اور وہ شخص کسی اور عورت پر فریفتہ تھا۔

یہی کہانی ہماری جماعت کے بیچاروں کی ہے۔ ان کے عشق کو کوئی پوچھتا نہیں پھر بھی یہ مرے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف بے وفائیوں، غمزوں نخروں اور تغنج کا سلسلہ دراز چلتا رہتا ہے اور ان کا عشق برابر ٹھکرایا جاتا رہتا ہے۔ کتاب وسنت کی صدا پر بے سوچے سمجھے جان دید ینے کی کہانی اتنی عجیب ہے اور اس کی اتنی داستانیں ہیں کہ علامہ ابن الجوزی جیسا اگر کوئی ذہین سماجیات کا تجزیہ نگار ہوتا تو کئی جلدوں میں ''کتاب الحمقاء'' تیار کر دیتا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اکثر دیوانے معشوقوں کے در سے لوٹتے بھی ہیں لیکن ٹائٹل لے کر خیر سے بدھو گھر کو لوٹے بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے۔

بہرحال آج کل ذاکر نائک کا ایوفوریا (Eu-phoria) ہے۔ دیکھتے ہیں کب تک یہ ایوفوریا چلتا ہے۔ ذاکر نائک کے سلسلے میں ایک حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا ہو سکتا ہے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

ا۔ کسی کے کام کی حقیقت اور کسی فرد کی ثقاہت، اصالت اور افادیت کو جانچنے اور معلوم کرنے کے لئے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ ان اصولوں کو کسوٹی بنا کر کام اور شخصیت کو پرکھنا چاہیے۔ اس کے بعد فیصلہ کرنا چاہیے کہ کام کی حقیقت کیا ہے اور فرد کی ثقاہت، اصالت اور افادیت کیا ہے۔ کسی ہاؤ ہو، شہرت، اشتہارات، دولت اور میڈیائی ہاؤ بھاؤ و بھیڑ بھاڑ کو معیار حق وباطل نہیں بنایا جا سکتا ہے۔

۲- اگر اصولی معیار پر کھا جائے تو سب سے پہلے ڈاکٹر صاحب کا ادارہ آتا ہے۔ کسی بھی اجتماعی عمل کے لئے ضروری ہے کہ اس کی بنیاد شورائیت ہو اہل حل وعقد ، اولی الامر اور اہل شوری کی اس میں شمولیت ہو۔ عام فہم زبان میں اہل حل وعقد، اہل شوری اور اولوالامر مسلم معاشرے کے ذی علم، امانت دار اور نیک سوجھ بوجھ رکھنے والے لوگ ہیں۔ مسلمان چاہے باختیار رہوں مسلم اسٹیٹ میں بستے ہوں یا غیر مسلم حکومتوں میں آباد ہوں مسلمانوں کا یہ اسلامی الیٹ (Elite) گروپ ہر جگہ پایا جا سکتا ہے۔ شروح احادیث اور تفاسیر میں اصحاب حل وعقد کی صلاحیتوں ان کی ذمہ داریوں اور مسلم معاشرے کے فلاح وبہبود میں ان کے رول کے متعلق تفصیلی گفتگو

موجود ہے۔الاحسان میں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔جس کا خلاصہ ہے کہ انھیں مخلص، متقی ذی علم، صاحب بصیرت اور امانت دار ہونا چاہیے۔

اسی اسلامک الیٹ کو شرعاوہ صلاحیت حاصل ہے کہ کسی بھی فلاح امت کے کام میں اس کی مشارکت ہو۔کسی گاؤں، محلّہ کسی ریاستی اور قومی پیمانے پر اگر کوئی فلاح ملت کا کام ہو اور اس الیٹ گروپ کی اس میں مشارکت نہ ہو اور ان کا شورائی تعاون نہ لیا جائے اور اسے فیصلہ کن حیثیت حاصل نہ ہو ایسے کام کو شرعی حیثیت نہیں مل سکتی۔تو اس فلاح امت کے کام کے امر و نہی، حل وعقد، رائے دہی اور فیصلے کرنے میں ان کا قیادی رول ہونا چاہیے کا منصب اور اموال کو ملت کی امانت جاننا چاہیے پھر ملت کے سامنے جواب دہی اور ذمہ داریوں کے متعلق پوچھ گچھ کا احساس ہونا چاہیے۔

دینی وملی کام میں آدمی اگر اپنی جیب سے صرف کرے پھر بھی ان اصولوں کو اسے سامنے رکھنا پڑے گا اور اگر چھوٹے بڑے کسی بھی دینی، تعلیمی، دعوتی اور فلاحی کام کے لیے چندہ آتا ہو، اصحاب ثروت کا تعاون حاصل ہو تو وہ قوم کی امانت ہوتا ہے۔اس کی حیثیت وقف کی سی ہوتی ہے۔جس کام کے لئے انسان چندہ جمع کرے یا جو مصارف طے ہوئے ہوں اسی میں صرف ہونا چاہیے۔ایسے ادارے، ان کی آمد، ان کا منصب اور ان کی ذمہ داریاں سب قوم کی امانت ہوتے ہیں، کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتے۔ان کی آمد وخرچ کا حساب قوم کے سامنے آنا چاہیے اور ان کے سارے کام باہم مشوروں سے انجام پانے چاہیے۔اگر ایسے ملی ادارے ان اصولوں پر نہیں چلتے اور انھیں ذاتی ملکیت بنالیا جاتا ہے تو یہ سماج میں فتنہ بن جاتے ہیں۔اس وقت عموماً دینی ملی ادارے ذاتی ملکیت کے ڈھب پر چلتے ہیں۔بسا اوقات اداروں کے وجود کی شرعی حیثیت ہوتی ہے لیکن جن کو ذمہ دار بنایا جاتا ہے وہ شورائیت کو ختم کر دیتے ہیں اور استبداد و مؤامرت کو اپنا لیتے ہیں نیز مالی و منصبی امانت داری کا احساس ختم ہو جاتا ہے اور اداروں میں لوٹ مچ جاتی ہے۔کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ادارے قائم ہوتے ہیں اور سرے سے ان کی اصولی اور شرعی حیثیت ہی نہیں ہوتی ہے۔شروع ہی سے ادارے ذاتی ملکیت بن جاتے ہیں چند لوگ دیتے ہیں اور ادارے والے غیروں کے خیراتی مال کو اپنی جائیداد بنا بیٹھتے ہیں۔

اس وقت ملت اسلامیہ ہند کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ ۹۹ فیصد ادارے مالی غبن، خیانت، نجی جائداد استبداد اور ذاتی شان وشوکت کا قضیہ بنے ہوئے ہیں۔عموماً اداروں کے ذمہ دار خیراتی اموال میں ایسا احمقانہ تصرف کرتے ہیں کہ لوگ ششدر رہ جاتے ہیں۔انھیں گالیاں دیتے اور کلی طور پر لوگوں کے نزدیک ناقابل اعتبار ٹھہرتے ہیں۔مالی تصرف اتنا خطرناک ہوتا ہے کہ اکثر خیراتی اموال ناجائز مصارف میں صرف ہو جاتے ہیں اور اصل مصارف یتیمی کا شکار بن جاتے ہیں۔

ذاکر نائک کا ادارہ اور اس کے جتنے تعلیمی ونشریاتی فروع ہیں انھیں مذکورہ معیار اور پیمانے پر ناپئے اور بتلائیے کیا ان اداروں کو شرعیت حاصل ہے؟ پھر دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا ان کا ادارہ ملی ادارہ کی حیثیت رکھتا ہے انڈین سوسائٹی/ وقف/ یا فاؤنڈیشن رجسٹریشن قانون کے مطابق ان کی جو بھی دنیاوی قانونی حیثیت ہو لیکن ان کے ادارے کو شرعیت حاصل نہیں ہے۔ادارہ کا گھریلو ادارہ ہے اور ان کی ذاتی ملکیت بنا ہوا ہے۔

اسی طرح جو بھی صدقات وخیرات جناب کے تمام اداروں کو ملتے ہیں وہ ان کی ذاتی جائداد بن جاتی ہیں۔ان کے پاس یہ تصور ہے ہی نہیں کہ یہ خیراتی مال ہے، خیرات وصدقات خدمت اسلام اور خدمت ملت کے لئے ہوتے ہیں، قوم کے سامنے اس کی جوابدہی لازم ہے اور ایک ایک پیسہ امانت ہے۔اسی طرح اس کے کام کی انجام دہی کی ذمہ داری امانت ہے اور اس کے مناصب امانت ہیں۔یہاں فقط استبداد شخصیت کو پروجکٹ کرنے اور من مانی تصرفات کرنے کی بات ہے۔جن لوگوں کے سامنے ان کے تصرفات میں انھیں اچھی طرح یہ حقائق معلوم ہیں۔جناب کے تصرفات سے ایسے لگتا ہے کہ جیسے ان کا ادارہ دینی ادارہ نہیں بس ایک (Franchhse) فرنچائز ہے اور کسی مجہول مصدر نے انھیں تصرفات کی آزادی ہے جبکہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اس کی اجازت دے کہ اجتماعی ملی کام میں کوئی ملی ادارہ فرنچائز دینی۔اسی طرح کسی کو یہ حق بھی حاصل نہیں ہے کہ اسے کوئی فرنچائز بنائے۔نہ کسی کو فرنچائزی Franchisee بننے کا حق حاصل ہے۔یہ تینوں کام غلط ہیں۔اس وقت ملت پر ناٹک صاحب کا دیوفوریا (Eu-phora) سوار ہے۔اس لئے سب کچھ جائز اور صحیح ہے جب ہوش کی کیفیت دور ہوگی تب لوگ شاید حقائق پر غور کریں۔

ذاکر صاحب کے ریسرچ، نشریات اور تعلیم تمام شعبوں میں ان کے تصرفات استبدادانہ اور تاجرانہ ہیں۔اپنی شخصیت کو پروان چڑھانے کے لئے جناب جس

طرح اشتہارات پر خرچ کرتے ہیں کسی اچھے خاصے دینی ادارے یا دینی تنظیم کا سالانہ بجٹ نہ ہوتا ہوگا۔ جناب کے سالانہ جلسے کے موقع پر میڈیا میں اشتہارات، ممبئ میں سڑکوں کے کنارے اونچی عمارتوں پر قد آدم تصویریں اور سمیہ گراؤنڈ پر دکانوں کا الاٹمنٹ ، اسکول سے وابستہ بچوں کے والدین کی جبریہ حاضری (بگار)، فائیو اسٹار ہوٹلوں میں علماء کرام کا قیام۔ چمچاتی کاروں کی آمد ورفت اللہ اللہ ایک طرف۔ دوسری طرف ہندوستان میں مسلم معیشت کو دیکھئے اور ان کی عام معیار زندگی اور خیرات کے پیسوں پر یہ جشن بہار، یہ ولولے، یہ طنطنے، یہ اڑان اور یہ طیران پھر بتایئے یہ سب کیا ہے؟ لوگوں کو یہ تماشے اچھے لگتے ہیں اور لوگ مبہوت ہو کر دیکھ رہے لیکن حلوائی کی دکان داداجی کی فاتحہ کب تک چلے گی؟ یہ جشن بہاراں اور یہ چم خم کب تک؟

۳- پھر تعلیم کی بات دیکھئے۔ پرائمری تعلیم اور ٹیوشن فیس جمبو جٹ معیار کی۔ شاید پورے ہندوستان میں پرائمری درجات کی اتنی اونچی ٹیوشن فیس کہیں ہو۔ اس اڑان اور ہوائی تعلیمی نظام کے بارے میں کوئی کیا کہے۔ یہ قابل غور بات ہے بلکہ یہ امت کا المیہ ہے یا اسے ہائی اسٹیم ایجوکیشن مافیا کہا جائے۔ تعلیم کے سلسلے میں اسلامی ہدایات، امت کی تعلیمی ضرورت سید اقتصادی بدحالی اور ملی تعلیمی سدھار کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو اس کے سوا اور کچھ نہیں کہہ پاتا کہ یہ تعلیم نہیں جیب تراشی ہے۔ اسے بورژوائی نظریۂ تعلیم کہیں، یا وکٹورین طرز تعلیم، یا سرسید کا تقطیری نظام تعلیم کہیں۔ جو بھی ہو یہ غریب دشمن اور ملت دشمن تعلیم ہے: لا یملأ بطن ابن آدم الا التراب کی زندہ مثال۔

جناب کی ساری سرگرمیوں کو دیکھ لیں اور ان کے پاس رہنے والوں کے تاثرات سن لیں کل کا حاصل یہی ہے کہ ہوس زر، پیسے کی بھوک نہیں مٹ پا رہی ہے اور خیرات کے پیسوں سے ذاتی اسٹیٹ بنانے، ذاتی اسٹیٹس بلند کرنے اور شہرت کمانے کا جنون سوار ہے۔

وعدہ دین کے لئے فدائیت کا اور کام نری دنیاداری کا ایسے تضادات، ایسے ہوائی منصوبے ایسی اڑان اور زمین حقائق سے دور سرگرمیاں ملت کو لے ڈوبیں گی۔

ہندوستان میں شہروں میں بسنے والے ۶۰ فیصد مسلم بچے اسکول نہیں جا سکتے۔ ان کے والدین کی مالی پوزیشن اتنی ابتر ہے کہ اپنے بچوں کے تعلیمی خرچ کو برداشت نہیں کر سکتے۔ چالیس میں کتنے ایسے ہیں جو پرائمری درجات پاس کر پاتے ہیں؟ بہت کم اونچی کلاسوں میں جا پاتے ہیں۔ جس کمیونٹی میں تعلیم اس قدر کم ہو اس میں دین کے نام پر خیرات بٹورنے والے تعلیم کو ایسا مہنگا بنائیں جس کی مثال شاذ و نادر ہی ملتی ہو ان کے کل مشن پر کیا حکم لگ سکتا ہے؟ مجھے تو اس کے سوا کچھ نہیں سمجھ میں آرہا ہے کہ یہ فقط اکتساب زر کی ہوس ہے۔ اب اگر کوئی اسے فرشتوں کا کام کہے اور ذاکر نائک کو فرشتوں کی صف میں بٹھائے تو بھئی وہ جانے اس کا کام جانے۔

اور تعلیمی پالیسی کیا ہے؟ کوئی تعلیمی پالیسی سرے سے ہے ہی نہیں۔ بس ٹی وی کے آؤ بھاؤ پر تعلیم پر بھی ہاتھ صاف کر لیا گیا ہے اور بدترین ڈھنگ سے اسے نچوڑنے اور کمائی کرنے کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے۔ ٹی وی کے بھرے میں آکر لوگوں نے جناب کے ادارے میں داخلے کے لئے مسابقت جاری کر دی وار سمجھ بیٹھے کہ اونچی دکان ہے پکوان بھی لذیذ ہوگی۔ داخلے کے معاملہ میں مکمل تاناشاہی۔ ویسے جناب کے ہر کام میں تاناشاہی ہی ہے۔ جو وہاں سے بھاگتے ہیں تاناشاہی کا شکار ہوتے ہیں اور جو بھی وہاں کا کام کرتے ہیں اگر کھلتے ہیں تو مجبوری کا اظہار کرتے ہیں۔

یہ یاد رہنا چاہیے کہ جب خیرات پر چلنے والے دینی و ملی ادارے نجی ملکیت میں آجاتے ہیں تو فتنہ ہی بنتے ہیں۔ ان کا وجود فتنہ بن جاتا ہے اور وہاں اخلاقیات و اخلاص کا فقدان ہوتا ہے۔ صرف دکھاوا، نفسا نفسی اور ہوس رہ جاتی ہے اور جو کام نظر آتا ہے روح سے خالی ہوتا ہے بسا اوقات خیراتی دولت پر گھرانے کے لوگ ایسا لڑتے ہیں کہ توبہ بھلی۔

جناب نائک صاحب نے کس ملبے پر اپنا ادارہ قائم کیا ہے؟ اسلامک پروپیگیشن سنٹر ڈربن جنوبی افریقہ کے ملبے پر یہ مرحوم منصور احمد دیت کا ادارہ تھا۔ انھیں جب عالمی شہرت حاصل ہوئی، ان کے سنٹر کو بکثرت تعاون ملا دوسری طرف وہ بیمار بھی ہوگئے اور قریباً دس سال صاحب فراش رہ کر انتقال فرمایا۔ اللہ غریق رحمت کرے دولت کی کثرت ہوئی تو سنٹر سے وابستہ لوگوں میں اس کے بٹوارے میں اختلاف رونما ہوا پھر یہ اختلاف لاینحل بن گیا۔ آخر حکومت نے اسے اپنی ریسیورشپ میں لے لیا اور پھر اس کی انتظامیہ کمیٹی بنی جس کے ممبران میں ایک عیسائی، ایک یہودی اور ایک ہندو یا سکھ بھی تھا۔ یوں ایک بے مثال داعی کے بے مثال ادارے کا یہ انجام ہوا۔ انھیں کی

کاشت خود ذاکر صاحب ہیں اور انھیں کی کاشت کردہ زمین پر انہوں نے اپنا پودا لگایا ہے۔

۸۰ دہے میں امریکہ میں بعض چرچ کے ذمہ داروں نے خیراتی پیسوں پر نجی ٹی وی چینل قائم کیا۔ جس میں Assembly of god چرچ کا ایک بہت مشہور نام جمی سوگرٹ ہے جس نے دو دفعہ شیخ احمد دیدت سے مناظرہ کیا۔ وہ اپنے نجی ٹی وی پر چار چار گھنٹہ تقریر کرتا تھا اور پچاس کروڑ لوگ اسے یک بیک سنتے تھے۔ کل ذاتی ملکیت کی بات تھی اور ذاتی شہرت اور چم خم کی۔ عالم عیسائیت میں اس چرب زبان مسیحی شور اور عالم کی طوطی بولتی تھی۔ خیانتوں میں پلا ہوا ایک طوائف کے گھر رنگے ہاتھوں پکڑا گیا اور اس طوائف نے یہ اعتراف کیا کہ یہ نہایت بدتمیز آدمی ہے۔ ساری شہرت اور نیک نامی خاک میں مل گئی اور ذلیل ہو کر مر گیا۔

ایک دوسرا داعئ مسیحیت جس میں بیکر تھا اس نے بھی نجی ٹی وی قائم کر رکھا تھا، چندہ وصول کرنے کے لئے بڑا ناٹک کرتا تھا اور بڑی موٹی رقمیں وصول کرتا تھا آخر کار پردہ فاش ہوا اور جیل میں گیا۔

ان دونوں کے سوا بھی دو ایک اور امریکی اونگلسٹوں نے اپنے چرچ میں نجی ٹی وی لگایا کھولا مگر سب کرپشن میں پکڑے گئے۔

ہندوستان دارالعجائب ہے نہ شعور ہے نہ آگہی۔ کوئی بھی تماشا دکھلا دے قوم لٹو ہو جاتی ہے۔ وہ تماشوں سے اس قدر حیرت زدہ اور مبہوت ہوتی ہے کہ جب اسے ہوش آتا ہے۔ تو مداری تماشا دکھا کر اور جیب خالی کر کے جا چکا ہوتا ہے اور مداری فنکار ہو تو زمانے تک قوم کو دین اور فرقے کے نام پر تماشا دکھلاتا رہتا ہے۔ قادیانیت کا تماشا، انکار حدیث کا تماشا، تحریکیت کا تماشا، حکومت الہیہ کے قیام کا تماشا، کتنے تماشے شروع ہوئے اور جاری ہیں۔ اسرار صاحب کا بھی تماشا زمانے تک چلتا رہا۔ علماء ثقات کچھ وسائل کی کمی اور کچھ زمانے کے اسلوب اور سیاست سے احتراز، اور دین و دیانت داری کی پاسداری کے سبب پبلک تماشا بننا پسند نہیں کرتا اور بے علم چھچھورے، سطحیت کے گرد و غبار سے اٹے ولولہ پسند میداں میں اتر آتے ہیں اور چار دن کی چاندنی بن کر تماشا دکھلا کر غروب ہو جاتے ہیں۔ پھر انھیں مظلوم کو ان کے چھوڑے ہوئے اثرات بد کو بھی ختم کرنا پڑتا ہے اور ان کے قیمتی اوقات دانشوروں کی احمقانہ دانشوری کی زہرناکی دور کرنے پر صرف ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں دینی ادارے ہی ملت اسلامیہ کا سب سے بڑا سرمایہ اور سب سے بڑی طاقت نہیں۔ اگر یہ ادارے کامیابی اور امانت داری سے چلیں تو ملت اسلامیہ سرسبز و شاداب ہو جائے۔ یہیں افراد پیدا ہوتے ہیں اور انھیں سے ملت کا سارا کام انجام پاتا ہے۔ یہیں اسلامی انسان بنتے ہیں اور یہیں ان کے اندر اسلامی کردار کی تشکیل ہوتی ہے۔ یہیں سے نور بصیرت عام ہوتا ہے اور ہدایت کے سامان فراہم ہوتے ہیں۔ اسلامی اداروں ہی میں اسلامی شناخت بنتی ہے اور افراد کی صلاحیتوں کو فروغ ملتا ہے۔ مگر جب ان کے اندر استبداد کو عروج حاصل ہوتا ہے اور ادارے نجی ملکیت بن جاتے ہیں تو ان کی کارکردگی سمٹ کر رہ جاتی ہے بلکہ نجی ملکیت کا زعم یا دعوی اپنے ساتھ فتنہ و فساد لاتا ہے اور ادارے عملا بانجھ ہو جاتے ہیں۔ اداروں سے وابستہ افراد شکوک و شبہات، نفسیاتی دباؤ، گھٹن، الجھن، بے ہمتی اور یاس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان کے لئے بھی نجی ملکیت کا فتنہ مسلسل یہ پیغام لاتا رہتا ہے کہ اس مال غنیمت سے تمہیں کیا حصہ ملا؟ دیکھو تو سہی ذمہ داروں کے عیش ہیں، مزے ہیں۔ تم محنت کئے جا رہے ہو۔ تمہیں کیا مل رہا ہے؟ حقیقت بھی یہی ہے اصل محنت مدرسین کی ہوتی ہے اور نام نہاد اداروں کے ذمہ دار حضرات مفت میں مزے لوٹتے ہیں۔ مدارس میں پڑھنے والے، اداروں میں کام کرنے والے اور طلباء بے کیفی اور الجھن کا شکار ہو جاتے ہیں، ان کے اوپر مایوسی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور بے دلی، دون ہمتی اور بے زاری سے ہمیشہ تنگ رہتے ہیں لیکن ہوسناکوں اور زر پرستوں کو اس کی خبر کہاں ان کے احساسات ان نازک افکار و خیالات کا ادراک کر ہی نہیں سکتے۔

خیرات کی رقموں پر اتنی قبیح دعوی داریاں کبھی اسلامی اداروں کو صحت مند رہنے ہی نہ دیں گی۔ اس حساس نقطے کی طرف دھیان اہم فریضہ ہے۔ (**بقیہ آئندہ**)

☆☆☆

عبدالمعید مدنی

دانشوری (۱۰)

۴- ذاکر نائک صاحب کی کوئی علمی شناخت نہیں ہے۔ عام خطباء کی طرح مختلف موضوعات پر انہوں نے کچھ تقریریں تیار کروالی ہیں اور انھیں رٹ لی ہیں اور موضوع سے متعلق کچھ سوالات وجوابات تیار کرواکے رٹ لئے ہیں اور کچھ انگلش میں کچھ اردو میں دھڑلے سے بولتے ہیں۔ ٹی وی ان کی طاقت ہے۔ اور ان کا ٹروپ ان کا علمی سہارا ہے۔ دعوت وتبلیغ کے سماجی چلن کے برعکس ان کی تبلیغ میڈیائی بن گئی ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں کھب گئی ہے۔ یہی کل ان کی قابلیت اور علمیت کی سند ہے اور یہی ان کے مبلغ اور داعی ہونے کی شہادت ہے۔

اس وقت ہندوستان کا ماحول ایسا ہے کہ اگر کسی کے پاس چمتکار ہے اور وہ چمتکار دکھلانے میں کامیاب ہوجاتا ہے تو مخلوق امڈ پڑتی ہے اور اسے وہ سب کچھ ماننے لگتی ہے جو وہ منوانا چاہتا ہے۔ اگر دولت ہے تو وہ معزز ہے خواہ وہ مجرموں کا سردار ہو۔ منصب اور ادارہ ہے تو اس کے پاس خدام ہیں بے زر غلام ہیں۔ دولت ہے تو جاہل ہوکر بھی وہ مفکر اعظم، مصنف کبیر، داعی دین اور فدائے ملت بن سکتا ہے۔ عیاری آتی ہے تو سیادت وقیادت اس کا حق ہے۔ اگر اسے سنہرا گلا ملا ہوا ہے تو عوام پر اس کی آقائیت قائم۔ آبادی بڑی ہے اوہام کا شکار ہے۔ علم کم، فکر نا کے برابر۔ جبین عقیدت کے لئے کوئی چوکھٹ چاہیے۔ چالاک لوگ عقیدت کا چوکھٹ بھی فراہم کرتے ہیں اور مرکز عقیدت بھی بن جاتے ہیں۔ یہ عقیدت کوئی معنی نہیں رکھتی نہ ان کا کوئی علمی حقیقی وزن ہے۔ اور بھیڑ نمائش بین ہوتی ہے۔ تماشا دیکھنے وہ کہیں بھی جاسکتی ہے وہ بلا اتجاہ ہوتی ہے نہ اس کا کوئی رخ ہوتا ہے نہ منزل ہوتی ہے۔

نائک صاحب کے فتاوی، خطبات، بیانات اور تقاریر کے متعلق کچھ نہ کچھ آگاہی ہے اور ان کے تصرفات کے متعلق بھی جانکاری ہے۔ ان سب کی روشنی میں ان کی دعوت وتبلیغ اور علمیت وصلاحیت کی کوئی اچھی تصویر نہیں بنتی ہے۔ کل ایک کاروبار لگتا ہے۔

اولا: انھیں حقیقت پسندی اختیار کرنی چاہیے۔ علم، فتوی، خطبات اور تعلیم کوئی سوداگری نہیں ہے کہ چند ملازم رکھ کر علم وفتوی کا کاروبار کیا جائے۔ فتوی، علم، تعلیم اور خطبہ کے دینی تقاضے شروط اور قیود ہیں۔ کسی کی منہ زوری کی بناء دینی تقاضوں اور شروط وقیود کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اگر انھیں نظر انداز کردیا جائے تو علم ودین کی مٹی پلید ہوجائے گی۔ بے شعور عوام کا شور بھی دینی تقاضوں اور شروط وقیود پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے ڈاکٹر صالح بن فوزان کے فتوی کا ایک حصہ نقل کرتے ہیں۔

"وأما ما يفعله بعض الشباب الآن، وهو أنهم يبدأون بالمطولات، أو يشترى أحدهم كتبا، ويجلس فى بيته يقرأ فيها ويطالع فهذا لا يصلح وما هذا بتعلم بل هذا غرور.

وهذا الذى أدى ببعض الناس بأن يقول فى العلم، ويفتى فى المسائل بغير علم ويقول على الله بغير علم لأنه ما بنى على أساس.

فلا بد من الجلوس أمام العلماء فى حلق الذكر، ولا بد من الصبر والتحمل" (الأجوبة المفيده: ١٤٠)

اور وہ جو اس وقت بعض شباب کرتے ہیں کہ وہ مطولات سے ابتدا کرتے ہیں یا ان میں سے کوئی کتابیں خرید لیتا ہے اور اپنے گھر بیٹھ کر پڑھتا اور مطالعہ کرتا ہے۔ یہ ٹھیک نہیں ہے اسے سیکھنا نہیں کہیں گے۔ اس کے برعکس یہ فریب خوردگی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ بلا علم علم کے باب میں گفتگو کرتے ہیں اور مسائل میں فتوی دیتے ہیں اور بلا علم اللہ کی شان میں لب کشائی کرتے ہیں کیونکہ ان کے پاس اساس علم نہیں ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ حلقہائے ذکر میں علماء کے سامنے بیٹھا اور صبر وتحمل کو لازم پکڑا جائے۔

اسی کتاب میں سوال ۵۱ کے جواب پر حاشیہ میں فتاوی کے جامع اور معلق کہتے ہیں۔

وهنا ينبغى تحديد المفهوم الصحيح لمن يطلق عليه لفظ العالم، وهذا من الأهمية بمكان إذ بسبب عدم الإدراك من الكثيرين تخلل صفوف العلماء من ليس منهم فوقعت الفوضى العلمية التى نتجرع الآن مرارتها، فأصبح من الناس عامة، وطلبة العلم

خاصة يظن أن كل من ألف كتابا أو أخرج مخطوطة، أو ألقى محاضرة هو العالم.

إن من يستحق أن يطلق عليه اسم العالم فى هذا الزمن هم قليل وأقل من القليل بل قليل جدا، وذلك لأن للعالم صفات قد لاينطبق كثير منها على كثير ممن ينتسب إلى العلم اليوم، وليس العالم من ألف كتابا أو حقق مؤلفا أو مخطوطة وأخرجها.

إن وزن العالم بهذه الأمور فحسب هو المترسب وللأسف فى أذهان كثير من الشباب العامة.

یہاں صحیح مفہوم کی تحدید ضروری ہے کہ کس پر لفظ عالم کا اطلاق ہوگا۔اس کی بڑی اہمیت ہے اس کے عدم ادراک کے سبب علماء کی صفوں میں بہت سے غیر علماء داخل ہوگئے ہیں جس کے سبب اس وقت علمی خلفشار رونما ہو چکا ہے اور جس کے تلخ گھونٹ ہمیں پینے پڑ رہے ہیں۔عام لوگ اور خصوصی طور پر طالبان علم یہ سمجھنے لگے ہیں کہ جس نے کوئی کتاب تالیف فرمادی یا کوئی مخطوطہ شائع کردیا یا کوئی لکچر دے دیا وہ عالم ہے۔

وہ لوگ جن کو عالم کہا جاسکے اس دور میں کم ہیں کم سے کم تر ہیں بلکہ بہت ہی کم ہیں کیونکہ علماء کے کچھ صفات ہوتے ہیں اور اکثر یہ صفات علم سے نسبت رکھنے والی اکثریت پر اس وقت فٹ نہیں ہوتے ہیں۔عالم وہ نہیں ہے جو فصاحت و بلاغت سے تقریر کرلے لکچر دے دے۔عالم وہ نہیں ہے جو کتاب لکھ لے یا کسی کتاب کی تحقیق کردے یا کوئی مخطوطہ شائع کردے۔

ان امور کی انجام دہی پر جن کو عالم سمجھ لیا گیا ہے افسوس اکثر نوجوانوں اور عوام کے ذہنوں میں بس یہی بات بیٹھ گئی ہے۔

پھر انہوں نے حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ کی کتاب ''بیان فضل علم السلف علی علم الخلف'' سے اس سلسلے میں تین اقتباسات دیئے ہیں اور ان کی تشریح کی ہے۔

وقد ابتلينا بجهلة من الناس يعتقدون فى بعض من توسع فى القول من المتأخرين أنه أعلم ممن تقدم، فمنهم من يظن فى شخص أنه أعلم من كل من تقدم من الصحابة ومن بعدهم لكثرة بيانه ومقاله.

وقد فتن كثير من المتأخرين بهذا وظنوا أن من كثر كلامه وجداله وخصامه فى مسائل الدين فهو أعلم ممن ليس كذلك.

فيجب أن يعتقد أنه ليس كل من كثر بسطه للقول وكلامه فى العلم كان أعلم ممن ليس كذلك.(ص٣٨۔٤٠)

ایسے جاہلوں سے ہمارا پالا پڑا ہے کہ جو یہ مانتے ہیں کہ بعض متاخرین علماء جن کی باتیں بڑی لمبی چوڑی ہوتی ہیں وہ متقدمین سے زیادہ ذی علم ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو بعض علماء کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا علم تمام متقدمین صحابہ اور ان کے بعد کے علماء سے بڑا ہے کیونکہ ان کی باتیں اور گفتگو کا سلسلہ بڑا دراز ہے۔

متاخرین میں بہت سے لوگ اس فتنے میں مبتلا ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ مسائل دین میں جس کا کلام، جدال اور مخاصمت زیادہ ہو وہ ان لوگوں سے بڑا عالم ہے جس کے پاس یہ سب نہیں ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ یہ مانا جائے کہ ایسا نہیں کہ ہر وہ شخص جس کے یہاں علم میں طول بیان وطول کلام کی کثرت ہو وہ ان لوگوں کے مقابلے میں زیادہ جانکار ہے جو اس کی طرح نہیں ہیں۔ابن رجب رحمہ اللہ نے اپنے زمانے کے اعیان علم اور عوام پر ان کے اثرات کے متعلق شکایت کی ہے۔ان کے اس درد کو آج کے اعیان علم کی پھلجھڑیوں کے روگ اور درد سے جوڑا جائے تو کیا نتیجہ نکلے گا۔ہر طرف علم کا نشیمن جلتا دکھائی دے گا۔کیسٹیں اور کتابیں دھڑا دھڑ نکل رہی ہیں۔تقریریں ہر روز ہو رہی ہیں اور عوام اپنے محبوبوں کو دستار فضیلت پہنانے، جیبوں کو بھرنے اور خراج عقیدت دینے کے لئے لائن لگائے ہوئے ہیں۔یہی فتنے ہیں اور علم کی تباہی کا سامان ہیں اور شاذ و نادر اس بھیڑ میں کسی کے پاس علم ثقاہت اور استناد پایا جاتا ہے۔

علم اکابر علماء سے سیکھنا ضروری ہے۔ان کی علمی گہرائی، فکری و عقلی پختگی اور بے نفسی سب سے زیادہ قابل قدر شے ہے اس سلسلے میں عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک فرمود ہے۔

"لا يزال الناس بخير ما أخذوا العلم عن أكابرهم وعن أمناء هم وعلماء هم فاذا أخذوا من صغارهم وشرار هم هلكوا".

جب تک لوگ علم اپنے اکابر سے، امانت داروں سے اور اپنے علماء سے حاصل کریں گے خیر میں رہیں گے اور جب اپنے چھوٹوں سے اور بدمعاشوں سے علم لینے لگیں گے ہلاک ہو جائیں گے۔ خطیب بغدادی نے حضرت ابن مسعودؓ کے اس قول کی تشریح میں اپنی کتاب ''نصیحۃ اہل الحدیث'' میں ابن قتیبہ سے یہ بات نقل کی ہے انہوں نے کہا:

يريد: لا يزال الناس بخير ماكان علماء هم المشائخ ولم يكن علماء هم الأحداث، لأن الشيخ زالت عنه متعة الشباب وحدته وعجلته وسفهه واستصحب التجربة والخبرة فلا يدخل عليه فى علمه الشبهة ولا يغلب عليه الهوى، ولا يميل به الطمع، ولا يستزله الشيطان استزلال الحدث ومع السن الجلالة والوقار والهيبة، والحدث قد تدخل عليه هذه الأمور التى أمنت على الشيخ فاذا دخلت عليه أفتى هلك وأهلك (ص:٧)

صحابی رسول کا مطلب یہ ہے کہ جب تک لوگوں کے علماء مشائخ ہوں گے نوخیز نہیں ہوں گے خیر میں رہیں گے۔ اس لئے کہ شیخ نوجوانی کی رعنائی کھو چکا ہوتا ہے، جوانی کی حدت سرعت پسندی اور کم فہمی اس سے زائل ہو چکی ہوتی ہے، اسے تجربہ اور خبرہ حاصل ہو چکا ہوتا ہے اور اس کے علم میں شبہہ کا دخل نہیں رہ جاتا ہے۔ اس پر نفس پرستی غالب نہیں ہوتی ہے، لالچ اسے بھٹکاتی نہیں ہے اور شیطان اسے پھسلنے کے لئے اکساتا نہیں جیسے نوخیز کو اکساتا ہے، عمر کے ساتھ اسے جلال، وقار اور ہیبت حاصل ہو جاتی ہے نوخیز ان سب کا شکار ہو سکتا ہے جن سے شیخ محفوظ ہو چکا ہوتا ہے۔ اگر نوخیز ان سب کا شکار ہو جائے اور فتوی دینے لگے تو خود ہلاک ہوگا اور ہلاک کرے گا۔

ایک عامی شخص جس کو علوم شرعیہ کا علم نہیں ہے یا جو شخص احداث کی تیار کردہ تقریریں رٹتا ہے ان کے تیار کردہ سوالات وجوابات کو رٹتا ہے اور پھر داعی اور مفتی بنتا ہے وہ کیا کرے؟ اس کے لئے ان تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔ امت میں علماء بہت سے ہیں جو یہ کر سکتے ہیں ان سے یہ کام لیا جائے اور ان کو ہر ممکن طرح تعاون دیا جائے، ایک عامی انسان کے لیے ضابطہ یہ ہے کہ علم سیکھے پھر دعوت وتبلیغ کرے۔ اس کے لئے استدلال، اجتہاد اور مفروضے کی گنجائش نہیں ہے کہ علماء اور جماعتیں کام نہیں کرتی ہیں لہٰذا اس کے لئے مفتی، خطیب، مجتہد اور داعی بننے کے لئے چھوٹ اور راہ کھلی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر صالح بن فوزان ہیئۃ کبار علماء کے ایک اہم رکن سے سوال ہوا أيهما أفضل أطلب العلم أم الدعوة إلى الله تعالى؟

کیا افضل ہے علم حاصل کرنا یا دین کی طرف دعوت دینا۔

انہوں نے جواب دیا:

طلب العلم أولا، لأنه لا يمكن للإنسان أن يدعو إلى الله إلا اذا كان معه علم وان لم يكن معه علم. فإنه لا يستطيع أن يدعو إلى الله وإن دعا فإنه يخطى أكثر مما يصيب.

فيشترط فى الداعية أن يكون على علم قبل أن يباشر الدعوة (قل هذه سبيلى أدعو إلى الله على بصيرة أنا ومن اتبعنى)

وهناك أمور ظاهرة بإمكان العامى أن يدعو إليها مثل إقامة الصلاة والنهى عن تركها مع الجماعة، والقيام مع أهل البيت وأمر الأولاد بالصلاة هذه أمور ظاهرة يعرفها العامى ويعرفها المتعلم ولكن الأمور التى تحتاج إلى فقه وتحتاج إلى علم أمور الحلال والحرام وأمور التوحيد والشرك هذه لا بد فيها من العلم (الأجوبة المفيدة ص١٤٦)

پہلے علم حاصل کرے اس لئے کہ کسی انسان کے لیے ممکن نہیں کہ دعوت الی اللہ کا کام کر سکے الا یہ کہ اس کے پاس علم ہو اور اگر اس کے پاس علم نہیں ہے تو وہ اس لائق نہیں بن سکتا ہے کہ دعوت الی اللہ کر سکے اور اگر دعوت دے گا صحت اور درستگی کی بہ نسبت غلطیاں زیادہ کرے گا۔

اس لئے داعی کے لئے شرط ہے کہ دعوت سے پہلے علم حاصل کرے (کہو یہی میرا راستہ ہے میں اور میرے متبعین بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتے ہیں)

ہاں کچھ امور ایسے ہیں جو ظاہر اور نمایاں ہیں ایک عام آدمی کے لئے بھی گنجائش ہے کہ اس کی دعوت دے جیسے اقامت صلاۃ اور جماعت کی عدم ادائیگی پر انکار،

گھر والوں کی نگرانی، اولاد کو صلاۃ کا حکم دینا یہ ظاہری امور ہیں انھیں عامی بھی جانتا ہے اور تعلیم یافتہ بھی۔ وہ امور جو فقہ اور علم کے محتاج ہیں حلال حرام کے امور اور توحید وشرک کے امور تو اس کے لئے علم ضروری ہے۔

سوال ۱۱۴ میں پوچھا گیا ہے:

لقد كثر المنتسبون إلى الدعوة هذه الأيام مما يتطلب معرفة أهل العلم المعتبرين الذين يقومون بتوجيه الأمة وشبابها إلى منهج الحق والصواب فمن هم العلماء الذين تنصح الشباب بالاستفادة منهم، ومتابعة دروسهم وأشرطتهم المسجلة وأخذ العلم عنهم والرجوع إليهم فى المهمات والنوازل وأوقات الفتن.

ان دنوں دعوت سے نسبت جوڑنے والے بہت ہو گئے ہیں۔ اس لئے اس کی معرفت ضروری ہوگئی ہے کہ وہ کون معتبر اہل علم ہیں جو حق وصواب منہج کی طرف امت اور نوجوانان امت کی رہنمائی کرنے کی ذمہ داری سنبھالتے ہیں، تو وہ کون سے علماء ہیں جن سے استفادہ کرنے کی نوجوانوں کو نصیحت کریں گے اور ان کے دروس میں برابر حاضر ہونے اور ان کی ریکارڈ کردہ کیسٹوں کی جستجو کرنے اور ان سے علم حاصل کرنے اور اہم امور ونوازل اور اوقات فتن میں ان کی طرف رجوع کرنے کو کہیں گے۔

لمبا جواب ہے، اس کے کچھ اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔

الدعوة إلى الله أمر لابد منه، والدين أنما قام على الدعوة، والجهاد بعد العلم النافع قال تعالى (والعصر إن الانسان لفى خسر إلا الذين آمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر) فالإيمان يعنى العلم بالله وبأسمائه وصفاته وعبادته والعمل الصالح يكون فرعا عن العلم لأن العمل لا بد أن يؤسس على علم والدعوة الى الله والأمر بالمعروف والتناصح بين المسلمين هذا أمر مطلوب.

ولكن ما كل أحد يحسن أن يقوم بهذه الوظائف، هذه الأمور لا يقوم بها إلا أهل العلم والراى الناصح لأنها أمور ثقيلة مهمة لا يقوم بها الا من هو مؤهل للقيام بها ومن المصيبة اليوم أن باب الدعوة صار بابا واسعا كل يدخل منه ويتسمى بالدعوة، وقد يكون جاهلا لا يحسن الدعوة فيفسد أكثر ما يصلح، متحمسا يأخذ الأمور بالعجلة والطيش، فيتولد عن فعله من الشرور أكثر مما يعالج وما قصد إصلاحه، بل ربما يكون ممن ينتسبون إلى الدعوة ولهم أغراض وأهواء يدعون إليها يريدون تحقيقها على حساب الدعوة، وتشويش أفكار الشباب باسم الدعوة والغيرة على الدين، وهو يقصد خلاف ذلك كالانحراف ياشباب، وتنفيرهم من مجتمعهم وعن ولاة أمور هم وعن علماء هم فياتيهم بطريق النصيحة وبطريق الدعوة فى الظاهر كحال المنافقين فى هذه الأمة اللذين يريدون للناس الشر فى صورة خير (الأجوبة المفيدة ٢٦٥–٢٦٦)

دعوت الی اللہ ضروری امر ہے، دین تو قائم ہے علم نافع حاصل کرنے کے بعد دعوت اور جہاد پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (قسم ہے زمانے کی بے شک سب انسان گھاٹے میں ہیں ان کا استثنا ہے جو ایمان لائے اور جنھوں نے اعمال صالحہ انجام دیئے اور باہم حق کی وصیت کی اور باہم صبر کی وصیت کی)

پس ایمان یعنی اللہ، اس کے اسماء، اس کے صفات اور اس کی عبادت کا علم اور عمل صالح جو علم سے متفرع ہوتا ہے کیونکہ عمل کے لئے علمی اساس لازمی ہے، اور دعوت الی اللہ امر بالمعروف بھی اور مسلمانوں کی باہم خیر خواہی مطلوب ہے۔

لیکن ایسا نہیں ہے کہ ہر شخص ان اعمال کو احسن طریقے سے انجام دے سکے۔ ان امور کی ذمہ داری صرف اہل علم اور پختہ فکر کے لوگ ہی اٹھا سکتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ بہت اہم اور بھاری امور ہیں ان کی ذمہ داری وہی اٹھا سکتا ہے جس کے اندر ان کی ذمہ داری اٹھانے کی صلاحیت ہو اور آج کے دور میں ایک مصیبت یہ بھی ہے

کہ دعوت کا دروازہ اتنا چوپٹ کھل گیا ہے کہ ہر شخص اس سے داخل ہو رہا ہے اور دعوت کا ایک ٹائٹل لے لیتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ جاہل ہو دعوت کا کام بخوبی نہ کر سکتا ہو پھر اصلاح سے زیادہ بگاڑ کا کام کرنے لگتا ہے بڑا جوشیلا بھی ہو سکتا ہے امور کو اپنے ہاتھ میں تسرع اور تیہا میں لے لیتا ہو پھر اس تصرف سے برائیاں زیادہ جنم لیتی ہیں اور مسائل کا حل اور فساد کی اصلاح کم ہوتی ہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود کو دعوت سے جوڑنے والوں کے کچھ ذاتی مقاصد ہوتے ہیں اور کچھ ہوس پرستیاں ہیں جن کا وہ داعی ہوتے ہیں اور دعوت کے نام پر ان کا حصول چاہتے ہیں یہ دعوت اور دینی غیرت کے نام پر نوجوانوں کے افکار کو الجھن میں چھوڑنا چاہتے ہیں۔ وہ دین کے برخلاف نوجوانوں کو منحرف کرنا چاہتے ہیں، اپنے سماج اور اپنے حکمرانوں سے اور اپنے علماء سے انھیں متنفر کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے اپنے پاس خیر خواہی کے راستے سے آتے ہیں اور ظاہری طور پر دعوت کی راہ سے آتے ہیں جیسا کہ اس امت میں منافقین کا حال تھا جو لوگوں کے لئے خیر کی شکل میں شر چاہتے تھے۔

آگے چل کر فرماتے ہیں:

فليس العبرة بالانتساب أوفيما يظهر بل العبرة بالحقائق وبعواقب الأمور۔ والأشخاص الذين ينتسبون إلى الدعوة يجب أن ينظر فيهم أين درسوا؟ ومن أين أخذوا العلم؟ وأين نشأوا؟ وما هى عقيدتهم؟ قال تعالى (أم لم يعرفوا رسولهم فهم له منكرون) ويجب أن تنظر أعمالهم وآثارهم فى الناس؟ وماذا أنتجوا من الخير؟ وماذا ترتب على أعمالهم من الخير وماذا ترتب على أعمالهم من الإصلاح؟ فيجب أن تدرس أحوالهم قبل أن يغتر بأقوالهم ومظاهرهم، هذا أمر لابدمنه، خصوصا فى هذا الزمان اللذى كثر فيه دعاة الفتنة، وقد وصف النبى صلى الله عليه وسلم دعاة الفتنة بأنهم قوم من جلدتنا ويتكلمون بألسنتنا والنبى صلى الله عليه وسلم لما سئل عن الفتن قال (دعاة على أبواب جهنم، من أطاعهم قذفوه فيها (حواله مذكورص ٢٦٧)

اعتبار نسبت کا یا ظاہری چیزوں کا نہیں ہے اعتبار حقائق اور نتائج کا ہے۔ جو لوگ دعوت سے انتساب رکھتے ہیں لازم ہے کہ ان کے بارے میں دیکھا جائے کہاں انہوں نے تعلیم حاصل کی، کس سے انہوں نے علم حاصل کیا، کہاں پلے بڑھے، ان کا عقیدہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (کیا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا کہ یہ اس کے ہیں) لازم ہے کہ دیکھا جائے ان کے اعمال کیا ہیں، لوگوں پر ان کے نتائج کیا مرتب ہوتے ہیں۔ ان کو کتنا نتائج خیر ملے۔ ان میں کتنی اصلاح ہوئی، لازم ہے کہ ان کے احوال اور مظاہر سے دھوکہ کھانے کے بجائے ان کے احوال کا جائزہ لیا جائے یہ لازمی مسئلہ ہے۔ خاص کر اس دور میں جس میں دعاۃ فتنہ بہت پیدا ہو گئے ہیں۔ نبی ﷺ نے دعاۃ فتنہ کے متعلق فرمایا: یہ ہماری ہی قوم کے لوگ ہیں اور ہماری زبان بولتے ہیں جب نبی ﷺ سے فتنوں سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا وہ داعی ہیں جہنم کے دروازوں پر ہیں۔ جو ان کی اطاعت کرے گا وہ اسے جہنم میں پھینک دیں گے۔

اس فتوی کی روشنی میں دیکھئے ذاکر نائک کا علمی اعتبار سے کیا مقام بنتا ہے؟ فتوی میں جن سوالات کو اٹھایا گیا ان کے جواب زیروہی میں مل سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں ان کی پوزیشن بس اتنی رہ جاتی ہے کہ وہ پریچر بننے کی زحمت نہ اٹھائیں۔ وہ ڈائرکٹر اور انکر (Anchor) بننے پر اکتفا کریں اور بلاوجہ مفتی بننا اور تقریریں رٹنا بند کر دیں۔

مفتی اور داعی بننے کے لئے جو جوکھم جھیلے جاتے ہیں ان تکلفات کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ نہ سوال پوچھنے والوں کو پہلے سے تیار سوالات دے کر بٹھانے اور جواب دینے کی ضرورت ہے اور نہ نومسلموں کو ہائر کر کے محفلوں میں قبول اسلام کے اعلان کی ضرورت ہے۔ یہ تعویذیں بنوا کر کسی کمرے میں رکھ کر ان پر فوکس کر کے یہ باور کرانے کی ضرورت ہے کہ ان تعویزوں کو گلے سے اتار کر لوگوں کو مؤحد بنایا گیا ہے۔

ذاکر نائک صاحب نے علوم اسلامیہ نہیں پڑھا ہے۔ ان کا علم کرائے کا ہے اور سرمایہ بھی مانگے کا ہے۔ کرائے کے علم اور مانگے کے اجالے پر کوئی کب تک بھروسہ کر سکتا ہے۔

بہر حال ایک انسان اگر عالم نہیں ہے تو اس کی دعوتی سرگرمی محدود ہوتی ہے۔ اس کو شرعا اس کی اجازت ہے امور ظاہرہ واضحہ تک اپنی سرگرمی محدود رکھے۔

تقریر کرنا کمال نہیں ہے اصل میں علم وفہم اہم ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعود کا فرمان ہے:

انکم اصبحتم فی زمان کثیر فقهاء ه قلیل خطباء ه قلیل سائلوه کثیر معطوه العمل فیه خیر من العلم. وسیاتی علی الناس زمان قلیل فقهاء ه کثیر خطباء ه قلیل معطوه کثیر سائلوه العلم فیه خیر من العمل (صحیح جامع بیان العلم ص٣٦حدیث ٤٣)

تم ایسے زمانے میں ہو جس میں فقہاء زیادہ ہیں خطباء کم ہیں۔مانگنے والے کم ہیں، دینے والے زیادہ ہیں، اس میں عمل علم سے بہتر ہے اور لوگوں پر ایک ایسا دور آنے والا ہے جس میں فقہاء کم ہوں گے اور خطباء زیادہ ہوں گے، دینے والے کم ہوں گے مانگنے والے زیادہ ہوں گے اس میں علم عمل سے بہتر ہوگا۔

فتوی دینا علم کا کام ہے، انسان کو قرآن وسنت کے نصوص کی خبر نہ ہو اور نہ ایک آیت اور حدیث صحیح پڑھ سکتا ہو وہ اجتہاد کرتا پھرے اور فتوی دے، محفلیں سجائے اور مسائل بیان کرے، بہت عیب کی بات ہے، یہ نا قابل معافی جرم ہے اور جرأت مندی کا مظاہرہ ہے، ایسے رویے پر اس حدیث کا انطباق ہوتا ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن الله عزوجل لا ینزع العلم من الناس بعد ما إذ أعطا هم و انتزاعا ولکن ینتزعه منهم مع قبض العلماء معهم فیبقی ناس جهال یستفتون فیفتون برایهم فیضلون ویضلون (صحیح جامع بیان العلم وفضله ١٤٣١ بخاری ٣٤، مسلم ٢٦٧٣)

بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کو علم عطا کرنے کے بعد اچانک سے نہیں چھین لے گا اس کے برعکس وہ ان سے علم کو چھین لے گا علماء کو علم کے ساتھ اٹھالے گا پھر جاہل قسم کے لوگ باقی رہ جائیں گے ان سے فتوی پوچھا جائے گا وہ اپنی رائے سے فتوی دیں گے یوں وہ گمراہ ہوں گے اور گمراہ کریں گے۔

اس حدیث کی تشریح ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال أبو عمرو هذا هو القیاس علی غیر أصل والکلام فی الدین بالتخرص والظن، ومعلوم أن الحلال ما فی کتاب الله أو فی سنة رسوله تحلیله، والحرام ما فی کتاب الله أو سنة رسول الله تحریمه فمن جهل ذلك وقال فیما سئل عنه بغیر علم وقاس برأیه وحرم ما أحل الله بجهله وأحل ما حرم الله من حیث لم یعلم فهذا هو الذی قاس الأمور برأیه فضل وأضل ومن رد الفروع فی علمه إلی أصولها فلم یقل برأیه.

ابوعمرو (ابن عبدالبر) کہتے ہیں یہی بے بنیاد قیاس ہے اور دین کے بارے میں ظن اور اندازے سے گفتگو کرنا ہے۔یہ طے ہے کہ حلال وہ ہے جو کتاب میں حلال ہے اور اس کے رسول کی سنت میں اس کی تحلیل موجود ہے اور حرام وہ ہے جو کتاب اللہ میں حرام ہے یا اس کے رسول کی سنت میں اس کی تحریم ہے۔پس جو اسے نہ جانے اور اس سے متعلق سوال کا بلا علم جواب دے اور اپنی رائے سے قیاس کرے اور اپنی نادانی کے سبب اللہ کے حلال کردہ کو حرام قرار دے اور اللہ کے حرام کردہ کو حلال قرار دے محض اس حیثیت سے کہ اسے علم نہیں ہے تو یہی وہ ہے جو امور کو اپنی رائے سے قیاس کرتا ہے خود گمراہ ہوتا ہے اور گمراہ کرتا ہے اور جو فروع کو جان سمجھ کر ان کے اصول کی طرف لوٹاتا ہے تو وہ اپنی رائے سے نہیں کہتا ہے۔(صحیح جامع بیان العلم وفضلہ ٤٤٢)

عبداللہ بن مسعود وعبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا:

إن من افتی الناس فی کل ما یسألونه عنه لمجنون (حواله مدکور اثر ١٥٨٤ ص٧٧٩)

بے شک جو شخص لوگوں کے تمام سوالوں پر فتوی دیتا رہے وہ پاگل ہے۔

ایک شیخ مدینہ ابواسحٰق نے فرمایا:

کنت أری الرجل فی ذلك الزمان وإنه لیدخل یسأل عن الشئ فیدفعه الناس من مجلس إلی مجلس حتی یدفع إلی مجلس سعید بن المسیب کراهیة للفتوی، قال وکانوا یدعون سعید بن المسیب الجری (حواله مذکور اثر ١٥٨٥)

اس دور میں میں دیکھتا تھا ایک آدمی آتا تھا اور کسی مسئلے کے متعلق سوال کرتا تھا لوگ اسے ایک مجلس سے دوسری مجلس کی طرف بھیجتے رہتے تھے یہاں تک کہ وہ سعید بن المسیب کی مجلس میں بھیجا جاتا تھا اس لئے کہ فتوی دینا پسند نہیں تھا ان کا کہنا ہے لوگ انھیں سعید بن المسیب جری کہتے تھے۔

ابن عیینۃ کہتے تھے: أجرأ الناس على الفتيا أقلهم علما

فتوی دینے میں سب سے زیادہ جری وہ ہوتا ہے جو سب سے کم علم ہوتا ہے۔

یہی بات سخنون بن سعید نے کہی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انما يفتى الناس أحد ثلاثة من يعلم ما نسخ من القرآن قالوا ومن يعلم ما نسخ من القرآن قال عمر أو أمير لا يجد بدا أو احمق متكلف (حواله مدكورص ٤٨٠)

فتوی تین قسم کے لوگ دیتے ہیں ایک وہ جو ناسخ قرآن کو جانتا ہو لوگوں نے پوچھا: قرآن کے منسوخات کو کون جانتا ہے فرمایا عمر یا امیر جس کے لئے مجبوری ہوتی ہے یا احمق تکلف کرنے والا۔

امام ابن قیم فرماتے ہیں: منصب افتاء پر فائز حضرات کی چار قسمیں ہیں ایک وہ خوش نصیب لوگ ہیں جنھیں کتاب وسنت پر عبور حاصل ہے جو اقوال صحابہ کو اچھی طرح جانتے بوجھتے ہیں اور اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ قرآن وسنت کے مخاطبین اولین نے اسلام کو کس نگاہ سے دیکھا ہے یہ حقیقتاً مجتہد ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو امت میں تجدید واصلاح کے اہل ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو اگرچہ کسی فقہی حدنظر سے وابستہ ہیں تاہم ان کی فکر ونظر کے دائرے وسیع ہیں۔ یہ لوگ اولہ سے براہ راست آشنائی رکھتے ہیں اور افتاء میں اس چیز کا خیال رکھتے ہیں کہ صرف ان ہی مسائل میں ائمہ کا ساتھ دیں جن میں صحت وصواب کی مقدار زیادہ ہو۔ یہ لوگ حنابلہ میں ابویعلی اور قاضی ابی علی بن ابی موسی کے مرتبے کے ہو سکتے ہیں۔ شوافع میں بہت سے لوگ اس پر فائز ہیں۔ مالکیوں میں اشعب بن عبدالحکیم اور ابن ایب کو اس درجے پر رکھئے۔ حنابلہ میں اس قبیل کے لوگوں میں ابن حامد اور قاضی سرفہرست ہیں۔ اسی طرح احناف میں ابو یوسف، امام محمد اور زفر اسی اسلوب کے حامل ہیں ان کے بارے میں اختلاف رائے ہے کہ یہ مجتہد مطلق ہیں یا مقید۔ تیسرا گروہ ان فقہاء پر مشتمل ہے جنہوں نے ہر حال میں اپنے ائمہ کی پیروی کو مستحسن جانا ہے یہ متاخرین فقہاء کا وہ گروہ ہے جنہوں نے فقہ کے اصول وفروع کو مرتب کیا۔ چوتھا گروہ مقلدین کا ہے جو نہ دلیل کو جانتا ہے اور نہ ترجیح کو، ان کی نظر صرف متعلقہ کتب فقہ کے مقدمات پر ہے۔ (اعلام الموقعین ۲/۴۷۰)

آج ٹی وی گردی اور پینل گردی کا زمانہ ہے۔ اس وقت میڈیا گردی نے ایسے ایسے فقہاء، خطباء اور مفتی پیدا کر دیئے ہیں کہ وہ مادر پدر آزاد ہیں، انھیں علم سے کچھ لینا دینا نہیں ہے، توہمات، تخرصات، قیاسات اور خواہشات ان کا مذہب ہیں اور انھیں کو دین بنائے ہوئے ہیں۔

امام ابن القیم فرماتے ہیں:

منصب افتاء پر علم وعمل کی ایک خاص ذمہ داری عائد ہوتی ہے ہر کس وناکس کو فتوی دینے کا اختیار نہیں ہے علامہ ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ جب روٹیاں پکانے والے باورچیوں پر داروغہ مقرر ہے تو جاہل مفتیوں کو کیوں آزاد چھوڑ دیا جائے۔ صحابہ رسول فتوی دینے کے معاملے میں کس درجہ محتاط تھے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ان میں سے ہر ایک کی یہ آرزو ہوتی کہ کاش اس کی جگہ کوئی اور اس ذمہ داری کو قبول کر لے حالانکہ بلاشبہ ہر ایک کو کب ہدایت اور سرچشمہ معرفت تھا۔ حضرت عطاء کہتے ہیں میں نے اپنی آنکھوں سے ایسے حضرات کو دیکھا ہے کہ جب ان سے کوئی فتوی پوچھا جاتا تو احساس ذمہ داری کی شدت سے کانپنے لگتے۔ اور ذرا فقہ وحدیث کے جلیل القدر امام حضرت شعبی کی طرف دیکھئے بایں جلالت قدر ان سے ایک مرتبہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میں نہیں جانتا اس پر کہا گیا کہ حضرت کیا آپ اس اعتراف سے شرم نہیں محسوس کرتے ان کا جواب تھا جب فرشتے ''لاعلم لنا'' کہتے ہوئے نہیں شرماتے تو میں کیوں شرماؤں سبحان اللہ ایک یہ بزرگ تھے اور ایک وہ کم سواد ہیں جو ہر بیہودگی کے حق میں فتوی دینے میں دلیر ہیں۔ (اعلام الموقعین: ۲/۴۷۴)

علامہ ابن قیم رقم طراز ہیں:

''امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جب تک کسی میں پانچ اوصاف نہ ہوں وہ مفتی ہونے کے قابل نہیں ایک تو یہ کہ اس کی نیت اچھی ہو جب تک نیت اچھی نہ ہو نہ اسے خود نورانیت حاصل ہوگی، نہ اس کے کلام میں نورانیت ہوگی۔ دوسرے یہ کہ اس میں حلم، وقار اور سکنیت ہو۔ تیسرے یہ کہ پورا علم کافی مہارت اور اچھی صلاحیت ہو۔ چوتھے یہ کہ اس کے اندر اس کی اہلیت ہو ورنہ لوگ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے۔ پانچویں یہ کہ لوگوں کی پہچان ہو۔

امام صاحب کے فرمان سے خود امام صاحب کی کس قدر جلالت اور بزرگی۔ ظاہر ہوتی ہے۔ فی الواقع فتوی کی عمارت کی یہ بنیاد اور دیواریں ہیں ان میں سے اگر ایک بات بھی نہ ہوئی یا کسی اور درجہ ہی میں کمی ہوئی تو جتنی کمی اس میں ہوگی اتنی ہی کمی خود مفتی میں رہ جائے گی۔ نیت تو جڑ ہے ستون ہے۔ روح عمل ہے باقی باتوں کی پیشوا اور اصل ہے تمام اعمال اس کے تابع ہیں۔ یہ خراب تو سارا عمل باطل یہ اچھی تو سارا عمل درست، یہی توفیق کو کھینچ کر لاتی ہے، اس کے نہ ہونے سے توفیق چھن جاتی ہے۔ اس کی کمی بیشی دنیا آخرت کی نیکی کی کمی بیشی ہے۔ بہت سے ایسے مفتی بھی ہیں کہ جن کی نیت خوشنودی الٰہی رضائے رب ہوتی ہے اور بہت سے ایسے بھی ہیں جو طمع دنیاوی میں بہہ جاتے ہیں۔ فتوی دونوں دیتے ہیں لیکن ان کے مرتبوں میں مشرق و مغرب کی دوری ہوتی ہے۔ پہلا شخص تو اللہ کے دین کا بول بالا، اس کے رسول کی اطاعت اور شریعت کا اظہار چاہتا ہے۔ دوسرا دنیا طلبی، وجاہت کی چاہت میں اپنے تئیں اچھالنے اور منوانے کی فکر میں ہے۔ اسے نہ کتاب وسنت کی موافقت سے غرض، نہ مخالفت سے ڈر اپنے توے کی خیر منا رہا ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ عادت اللہ یوں جاری ہے کہ وہ مخلصوں کو ہیبت دیتا ہے، نور دیتا ہے، ان کی محبت اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے، لوگوں کی توجہ ان کی طرف ہو جاتی ہے ان کے دل ان کی مٹھی میں آجاتے ہیں۔ یہ بوجہ اپنے اخلاص کے اپنی نیک نیتی کے اور اپنے اچھے معاملے کے، جنت کے درجے اور دنیا کی بلندیاں پاتا ہے اور وہ بوجہ اپنی ریاکاری اور غلط کاری کے اللہ کی اور نیک مخلوق کی نظروں سے گر جاتا ہے سب کے نزدیک حقیر ہو جاتا ہے، لوگ اس سے کڑھنے لگتے ہیں اور اس کی کوئی عزت باقی نہیں رہتی۔ مخلص کو رعب اور محبت ملتی ہے اور ریاکار کو ذلت اور عداوت نصیب ہوتی ہے حلم، وقار اور سکنیت علم کا لباس اور علم کا جمال ہیں۔ ان سے جو شخص خالی ہوگا وہ گویا ننگا آدمی ہے جس کے بدن پر کپڑا نہیں۔ سلف کا قول ہے: حلم سے جب جب مسلم مل گیا تو سونے پر سہاگہ ہو گیا۔ (اعلام الموقعین ۲/۴۶۰)

ان اقتباسات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دینی عمل تقریر خطابت اور افتاء دنیا کے اہم ترین کام ہیں جو ارادۃً عملاً اور علماً اس کے شرائط پورے نہ کر سکے اس کے حق میں بہتر یہی ہے کہ یہ کام کر کے اللہ کی نگاہ میں مجرم نہ بنے۔

آدمی جس میدان کا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے میدان میں اس کی ساری وسعتوں اور پہنائیوں کو اپنے زیر کمند لائے۔ جس میدان سے اس کا تعلق نہیں اگر اس میں جولانی دکھلائے گا تو پتہ نہیں کیا کیا الٹا سیدھا کرے گا۔ جو کسی فیلڈ سے ناآشنا ہوں اور اس میں کمالات دکھلانے کے خواہش مند ہوں ان کے متعلق علماء عرب کے بہت سے اقوال اور ضرب الامثال ہیں۔ چند ایک کا ذکر ہو رہا ہے۔

''رأس قبل أن يبرى'' چھیلنے کاٹنے سے پہلے تیر بنا دیا۔ ''تذبب قبل ان یتحصرم انگور پکنے سے پہلے کشمش بن گیا''۔ البدایۃ مزلۃ بدایت ہی ہے یہ بدایت ہمیشہ ٹھوکر کا باعث بنتی ہے۔ ''من البلية تشيخ الصحفية'' اخباری فقاہت اور شیخ بننے کا دھن ایک مصیبت ہے۔ یہ مثل میڈیائی فقہاء اور مفتیان کرام پر خاص کر منطبق ہوتی ہے۔

حضرت علی نے فرمایا: العلم نقطة كثرها الجاهلون علم ایک نقطہ ہے جاہلوں نے اسے بڑھا دیا ہے۔

سفیان ثوری نے فرمایا: إذا كثر الملاحون غرقت السفينة جب ملاح زیادہ ہوں گے تو کشتی ڈوب جائے گی۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا: اذا تكلم المرء فى غير فنه أتى بهذه العجائب آدمی کا جو فن نہیں ہے اگر اس میں بات کرے گا تو عجائبات لائے گا۔

حسن بصری نے فرمایا: اللهم نشكو إليك هذا الغثاء اے اللہ ہم اس جھاگ کی تیری بارگاہ میں شکایت کرتے ہیں۔ امام ابن حزم فرماتے ہیں: لا آفة

على العلوم وأهلها، آخر من الدخلاء فيها، وهم غير أهلها، فانهم يجلهون، ويظنون أنهم يعلمون، ويفسدون ويقدرون أنهم يصلحون.

علوم اور علماء کے لئے سب سے زیادہ نقصان دہ وہ علمی طفیلی ہیں جو عالم نہ ہو کر عالم بنتے ہیں وہ جاہل ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں علم رکھتے ہیں فساد پھیلاتے ہیں اور طے کئے بیٹھے رہتے ہیں کہ وہ اصلاح کر رہے ہیں۔

غزالی کہتے ہیں: ''لوسكت من لا يعلم لسقط الخلاف'' نادان اگر چپ رہیں تو اختلاف ختم ہو جائے۔

ڈاکٹر بکر بن عبداللہ ابوزید نے اپنی کتاب ''التعالم'' (علم کی دعوی داری) میں اس طرح کے اقوال اور علمی دعوی داری کے بہت سے واقعات اور ادعیاء علم کے اقسام اور اس کی صفت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

علوم اسلامیہ دنیا کے سب سے اشرف علوم ہیں ان کا سیکھنا انسانی ضرورت بھی ہے اور شرف بھی ہے۔ ان کے سیکھنے کے آداب اور تقاضے بھی ہیں۔ ان کی تفصیلات بھی ہیں۔ اور علماء کی پہچان شان اور منزلت بھی ہے اور کار دین کے شروط و قیود بھی ہیں۔ اور جو اس کے اہل نہ ہوں اور تعالم کا راستہ اختیار کریں ان کے لئے بڑی وعید بھی ہے۔

علماء کی قدر، ضرورت و اہمیت قیامت تک رہے گی، ان کی جگہ نہ میڈیا لے سکتا ہے نہ ٹی وی لے سکتا ہے، نہ صحافت اور اخبار لے سکتا ہے۔ نہ ان مادی اسباب کو حاصل کر کے کوئی عالم بن سکتا ہے نہ دانشور علوم شرعیہ کو پڑھے بغیر لوگ دین کے مسائل میں بولنے کا حق نہیں رکھتے ہیں۔

(بقیہ آئندہ)

دانشوری (۱۱)

علماء کی حقیقت اور اہمیت:

ذاکر نائک عالم نہیں ہیں۔انھیں کیا پتہ عالم کی اہمیت کیا ہے اور علماء کون ہیں؟ علماء وہ ہیں جن کو فتوی، دعوت، خطاب اور تزکیہ وتربیت کا حق حاصل ہے۔ان کی پہچان کتاب وسنت اور سلف صالحین کے اقوال سے بنی ہے۔حضرت ابوالدرداء کی روایت ہے رسول اللہﷺ نے فرمایا:''من سلك طريقا يطلب فيه علما سلك الله به طريقا من طرق الجنة، وإن الملائكة لتضع أجنحتها رضى لطالب العالم، وإن العالم ليستغفرله من فى السماوات ومن فى الأرض، والحيتان فى جوف الماء، وإن فضل العالم على العابد كفضل القمر ليلة البدر على سائر الكواكب، وان العلماء ورثة الأنبياء وإن الأنبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما، ولكنهم ورثوا العلم فمن أخذه أخذ بحظ وافر (أبوداؤد ۳٦٤١،ترمذی۲٦٨۲،ابن ماجه۲۲۳)

علم کی تلاش میں جو شخص کسی راستے پر چل پڑتا ہے اسے اللہ تعالی جنت کی کسی راہ پر چلاتا ہے۔ طالب علم کی خوشی کے لیے فرشتے اپنے پر بچھا دیتے ہیں آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوقات اور پانی کے اندر مچھلیاں عالم کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے چودہویں رات کی فضیلت تاروں پر اور علماء انبیاء کے وارث ہیں، انبیاء اپنی وراثت میں دینار اور درہم نہیں چھوڑتے ہیں، وہ وراثت میں علم چھوڑتے ہیں۔پس جس شخص نے علم حاصل کیا اس نے بڑا حظ وافر حاصل کرلیا۔

''مفتاح دارالسعادۃ'' میں حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اس کی بڑی دلچسپ اور بصیرت افروز تشریح کی ہے، اس کا خلاصہ یہاں پیش کیا جاسکتا ہے۔

"وضعت له الملائكة اجنحتها" کی تشریح میں ہے: ملائکہ تواضع ،عزت اور توقیر میں عالم دین کے لئے پر بچھاتے ہیں کیوں کہ وہ میراث نبوت کا طالب اور حامل ہوتا ہے۔فرشتے اس کی محبت اور تعظیم میں اس لئے اس کے واسطے پر بچھاتے ہیں کہ وہ اس شے کا طالب ہے جس سے مخلوق کی زندگی اور نجات ہے۔اس طرح عالم اور فرشتوں کے درمیان ایک طرح سے مشابہت ہے اور ان کے درمیان باہم مناسبت ہے۔ملائکہ خلق الہی میں انسان کے لئے سب سے زیادہ خیر خواہ اور سب سے زیادہ مفید ہیں۔ان کے ذریعہ ہی اسے سعادت علم اور ہدایت ملی ہے۔بعض تابعین کا قول ہے: بندگان الہی کے لیے فرشتے سب سے زیادہ خیر خواہ ہیں اور شیاطین مخلوقات الہی کے لئے سب سے زیادہ فریب کار ہیں۔ جب بندۂ الہی علم کا متلاشی بنتا ہے تو بندگان الہی کے لئے سب سے بڑی خیر خواہی کا متلاشی ہوتا ہے اس لئے فرشتے اس سے محبت کرتے ہیں، اس کی تعظیم کرتے ہیں حتی کہ اس کی خوشی کے لیے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔

''سلک اللہ بہ طریقا فی الجنۃ'' جیسا عمل ویسا بدلہ۔علم دین کے حصول کے لیے جب انسان نکلتا ہے تو اللہ کی خوشنودی کا حصول اس کی چاہت ہوتی ہے اور اس کے بندوں کو جہل وضلالت کی تاریکی سے نکالنا اس کی نیت ہوتی ہے اس لیے اس کا بدلہ یہ ہوا کہ اسے آخرت میں راہ جنت پر چلایا جائے۔

"إنه ليستغفر للعالم" عالم علم دین حاصل کرکے مہلک چیزوں سے انسانوں کو بچانے کا سبب بنتا ہے۔اس کی ساری کوشش اسی لئے ہوتی ہے۔اس کے ذریعہ بندگان الہی کو نجات ملتی ہے اس لئے اسے بدلہ بھی ویسا ہی ملنا چاہیے اور پھر اللہ نے ایسا انتظام کیا کہ آسمانوں اور زمین کے باشندے اور ان کی مخلوقات اس کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہیں اور ان کی اس سلسلے میں بھرپور کوشش ہوتی ہے کہ وہ تباہ کن چیزوں سے بچ جائے۔جب فرشتے عام مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں تو خلاصۂ مومنین اور خاصہ رب العالمین کی مغفرت کے لیے کیوں نہ دعا کریں گے۔حدیث مبارک میں مستغفرین کے ضمن میں من فی السماوات ومن فـي الارض کے الفاظ آئے۔ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طالب علمان دین کے لئے ساری مخلوقات سماوی وارضی مغفرت کی دعا کرتی ہے خواہ ان کا تعلق حیوانات

ناطق سے ہو یا جانوروں سے ہو یا چڑیوں سے ہو۔اس کی تائید حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إن الله وملائكته وأهل السماوات والأرض حتى النملة فى حجرها،وحتى الحوت فى البحر ليصلون على معلم الناس الخير(صحيح جامع بيان العلم وفضله حديث ٦٥)

بے شک اللہ اوراس کے فرشتے،آسمانوں اورزمین کی مخلوقات حتی کہ چیونٹیاں اپنے بل میں اورمچھلیاں سمندر میں لوگوں کو خیر سکھلانے والے کے لیے دعائے رحمت کرتی ہیں۔

عالم اور عابد کے درمیان نسبت اس طرح ہے جس طرح چاند اور تاروں کے درمیان ہے چاند سے سارا آفاق روشن ہوجاتا ہے اوراس کی روشنی دنیا تک پہنچ جاتی ہے،یہی حال عالم کا ہے۔اس کے برعکس تاروں کی روشنی ان کی ذات سے آگے نہیں جاتی،یہی حال عابد کا ہے۔اس کی عبادت کا اثر اس کی ذات تک محدود رہتا ہے اس سے تجاوز نہیں کرتا اور عالم کا علم ایک جہان کو روشن کرسکتا ہے۔

علماء انبیاء کے وارث ہیں۔یہ علماء کے لیے سب سے بڑی منقبت ہے اس لئے کہ انبیاء اللہ کی مخلوقات میں سب سے بہتر لوگ ہوتے ہیں اس لئے ان کے بعد ان کے ورثہ بھی سب سے بہتر قرار پائیں گے اور یہ بھی طے ہے کہ جب کسی کی میراث دوسرے کی طرف منتقل ہوتی ہے تو یہ اس کا قائم مقام بن جاتا ہے اس لئے انبیاء ورسل کے بعد ان کی جگہ علماء کو ملتی ہے تاکہ تبلیغ رسالت کا حق ادا ہوسکے۔یہی ان کے صحیح جانشین اور حقدار بنتے ہیں۔

حدیث کے اس ٹکڑے میں اس کی طرف صریح اشارہ ہے کہ انسانوں میں علماء انبیاء سے زیادہ قریب ہوتے ہیں اس لئے میراث اقرب الناس کو ملتی ہے۔جس طرح مالی وراثت اقرب الی المیت کو ملتی ہے اسی طرح علماء انبیاء سے اقرب ہوتے ہیں اور انھیں وراثت نبوت ملتی ہے۔یہ اللہ کا کرم ہے جسے وہ چاہتا ہے نوازتا ہے۔

اس حدیث میں اس بات کی بھی رہنمائی ہے اور اس کا حکم ہے کہ امت کو علماء کی اطاعت کرنا چاہیے،ان کا احترام بجالانا چاہیے اور ان کی عزت وتوقیر اور تعظیم کرنی چاہیے اس لیے کہ یہ ان کے وارث ہیں جن کے یہ چند حقوق ہیں اور اس سلسلے میں وہ ان کے خلفاء ہیں۔

اس حدیث میں اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ ان سے محبت کرنا دین ہے اور ان سے نفرت دین کے منافی ہے۔یہ ان کے مورث انبیاء کے لئے ثابت ہے۔لہٰذا یہ ان کے لیے بھی ثابت ہے اسی طرح ان کے ساتھ دشمنی کرنا اور لڑائی کرنا اللہ کے ساتھ دشمنی کرنا اور لڑائی کرنا ہے علماء کے مورثین انبیاء کے لئے یہ ثابت ہے۔اور یہ ان کے لئے بھی وراثت میں ثابت ہوا۔حضرت علیؓ کا قول ہے۔ محبة العلماء يدان الله به علماء سے محبت کرنا دین ہے اس کے ذریعہ اللہ کے لئے دین داری طے ہوتی ہے۔اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:من عادى لى وليا فقد بارزنى بالمحاربة جو میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے وہ میرے ساتھ اعلان جنگ کرتا ہے۔اور انبیاء کے ورثاء اولیاء اللہ کے دوست ہیں۔

اس حدیث میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ دعوت دین میں علماء انبیاء کے طریقے کو اختیار کریں،صبر وبرداشت سے کام لیں،لوگوں کی بدسلوکی کا اچھائی سے بدلہ دیں،لوگوں کے ساتھ نرمی کریں، بہتر طریقے سے راہ الٰہی کی طرف لوگوں کو لائیں،اور حتی الامکان ان کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کریں۔اسی سے عظیم القدر اور اہم تر میراث سے ان کی حصہ داری کے حصول کا مسئلہ طے ہوگا۔

اس حدیث میں اس پر بھی تنبیہ ہے کہ علماء امت کی تربیت اسی طرح کریں جس طرح باپ اپنے بیٹے کی تربیت کرتا ہے وہ ان کی تربیت تدریج کے ساتھ بچپن سے لے کر جوانی تک کرتا ہے۔اور ان پر اتنا ہی ذمہ داری کا بار لادیں جتنا وہ اٹھا سکیں۔

انبیاء دینار ودرہم کا وارث نہیں بناتے یہ انبیاء کا کمال ہے اور امت کے لئے عظیم تر خیر خواہی اور ان پر اور ان کی امتوں پر اللہ کی تمام تر نعمت کہ اس نے ان تمام علتوں کو ختم کردیا اور تمام مواد کو مٹادیا جن سے بعض لوگوں کو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ انبیاء بھی ان ملوک کے قبیل سے ہیں جو دنیا کے طلب گار رہتے ہیں اور حکومت وحکمرانی چاہتے ہیں۔اس طرح اللہ نے انبیاء کو مکمل طور پر لوگوں کی اس سوچ سے بچالیا۔

عموماً یہی رجحان رہتا ہے کہ انسان اپنے بعد اپنی اولاد کے لئے مال ودولت چھوڑ جائے دنیا اسی کے لئے کوشاں رہتی ہے،حیران ہوتی ہے انسان اس سلسلے میں اپنی

اولاد کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہے۔اس حدیث کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ نے انبیاء ورسل سے اس علت کو ختم کر دیا اور اس وہم سے لوگوں کو بچالیا جو اس کا شکار ہو سکتے ہیں۔ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: "نحن معاشر الأنبياء لانورث، ما تركنا فهو صدقة" ہم انبیاء کی جماعت ترکہ نہیں چھوڑتے اور اگر کچھ ترکہ ہے تو صدقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا(وورث سليمان داؤد)اور زکریا علیہ السلام نے فرمایا(فهب لي من لدنك وليا يرثني ويرث من آل يعقوب)ان آیتوں میں جس وراثت کا ذکر ہے وہ علم نبوت اور دعوت الی اللہ کی میراث ہے۔اہل علم اور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے۔

انبیاء کے ترکے میں علم ہوتا ہے اور اسی کے وارث علماء ہوتے ہیں اور جس کو جس قدر زیادہ علم کا حصہ ملے وہ زیادہ خوش نصیب ہوتا ہے اور اس کی کوشش ہونی چاہیے کہ زیادہ علم ملے۔

سب سے زیادہ بڑا نفع بخش عظیم حظ انسانی وہ ہے جس کا نفع انسان کے لئے پائدار ہو اور دائمی ہو اور یہ حظ مفید ودائمی صرف علم اور دین ہے۔یہی حظ دائمی نفع بخش ہے، جب سارے حظ ختم ہو جاتے ہیں تو یہی مسلسل کام آتا ہے اور ہمیشہ کے لیے اس کی افادیت کا سلسلہ قائم رہتا ہے اس لئے کہ اس کا سرا اس ذات سے ملا ہوا ہے جو ہمیشہ زندہ ہے اور رہے گا اس کو کبھی موت نہیں آسکتی۔اس طرح علم ودین کی افادیت نہ منقطع ہو سکتی ہے نہ ختم ہو سکتی ہے اور دیگر تمام حظوظ جن کا سرا اللہ حی قیوم کے سوا کسی اور سے جڑا ہے اپنے متعلقات کے ساتھ ختم ہو جائیں گے۔(مفتاح دارالسعادۃ ۱/۲۵۲۔۲۶۵)

یہ علماء ہیں جن کا مقام پوری کائنات میں طے ہے۔یہ پورے مسلم سماج معاشرے اور مسلم افراد اور ان کے اندر اتنی بے شعوری ہے کہ نہ وہ صحیح دین کو اہمیت دیتے ہیں، نہ اس کے مطابق فرد کی تعمیر سیرت ہوتی ہے، نہ سماج کی تشکیل ہوتی ہے یہ کام علماء ہی کر سکتے ہیں۔ظاہر ہے جب اہم کام ہی نہیں ہو رہا ہے تو کام کرنے والے بھی نہ رہیں گے۔آج علماء کی اہمیت اور ضرورت اس پیمانے پر نہیں رہ گئی ہے جس پیمانے پر اسلام نے ان کی اہمیت اور ضرورت کو تسلیم کیا ہے اور ان کے حقوق طے کئے ہیں جیسا کہ مذکورہ حدیث میں تفصیل گذر چکی ہے۔

ساری دنیا آج سیکولر بن گئی ہے اور پورا نظام حیات سیکولر بن گیا ہے۔سیکولر نظام حیات میں اسلامی نظام اور اس کے اکسپرٹ کہاں چل سکتے ہیں۔اس نظام میں اس کی بھی گنجائش نہیں کہ علماء اسلام کی حیثیت اور ان کے دینی اداروں کی حیثیت تسلیم کی جائے۔

اسلامی دینی اداروں میں اخلاص وللّٰہیت شرط اولین ہے۔یہاں فریب، نقالی، دنیاداری، دین فروشی نہیں چلتی، اسلامی اداروں میں شہرت کی دکان کھولنے کی اجازت نہیں ہے، نہ ریاکاری کی۔یہاں کرایہ پر رکھ کر دوسروں کی صلاحیتوں کا استحصال بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔نہ اونچی دکان میں پھیکی پکوان رکھ کر جیب تراشی کی اجازت ہے۔مگر اسلامی نظام نہیں ہے اس لئے سیکولر نظام یا بندر وقلندر نظام حیات میں ہر ایک کو مداری بننے کا حق ہے اور ہر ایک کو تماشا دکھلانے اور دیکھنے کا حق ہے۔دین کی بالادستی کسی شعبہ حیات میں قائم نہیں رہی اور زندگی کل کی کل اس کی رہنمائی سے محروم ہوگئی ہے۔لوگوں کا مزاج دینی نہیں رہ گیا۔دین پسندی کا زمہریری مزاج بھی ایسا ہے کہ بندر وقلندر کا تماشا دکھلانے والے ہی اسے راس آتے ہیں۔دینی صلاحیتیں بھی اتنی کمزور ہوگئی ہیں کہ صحیح وغلط اور حق وباطل کے درمیان امتیاز کرنا ناممکن ہو گیا ہے۔ فرد وسماج کا جو مزاج ہے وہ ظاہری منفعت اور ظاہری سرگرمی اور ظاہرداری ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے، اصول وضابطے، منہاج واساس، عزائم وارادے، دلی رغبات وخواہشات اخروی جزا وسزا مقام ومرتبہ سے کسی کو غرض نہیں رہ گئی ہے۔نہ نتائج پر کسی کی نظر رہتی ہے۔نتائج آنے تک مکاری کے سارے دروبست کام دھام ہباءً منثورا ہو جاتے ہیں۔جن کاموں کی بنیاد ہی فریب پر ہو ان کے جھاگ بن کر بہ جانے اور ہباءً منثورا بن جانے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔بات دراصل یہی ہے کہ جو کام وہ کریں جو نا اہل ہوں اور دین کے سارے کام کو دکان ہوس بنا دیں اور بازار ہوس تلاش کریں ان کے فتنہ بننے میں دیری نہیں لگتی ہے۔

☆ علماء کون ہیں: علماء انبیاء کے وارث ہیں جیسا کہ تفصیل حدیث میں گذری۔

علماء وہ ہیں جو معتبر وثقہ ہوتے ہیں۔شرک وبدعت سے دور ہوتے ہیں۔کتاب وسنت کو ولاء، براء کے لئے معیار بناتے ہیں۔علماء وہ نہیں ہیں جو علم ودین کو پیشہ بنالیتے ہیں اور ان کو کمائی کا ذریعہ بناتے ہیں۔ان کا نہ علم سے تعلق ہوتا ہے نہ علماء دین میں شمار کئے جانے کے لائق ہوتے ہیں۔وہ بس علماء کی شکل وصورت اختیار کر لیتے ہیں، ان کا طرز کلام اپنا لیتے ہیں اور عالم بن جاتے ہیں، ایسے لوگ دکاندار ہیں اور دکانداری کرتے ہیں، ان دکانداروں سے علم کی، دین کی اور علماء کی توہین ہوتی ہے

اور جہل کو بڑھاوا ملتا ہے، دین وعلم کھیل وتماشا بنتا چلا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ لگنا، ان کا تعاون کرنا، انھیں بڑھاوا دینا جہل کے لئے راستہ ہموار کرنا ہے اور سلسلہ دعوت وتبلیغ اور سلسلہ تعلیم وتعلم کو جہل اور جہلاء کے حوالہ کرنا ہے۔ اگر کسی کو دعوت وتبلیغ اور تعلیم وتعلم کا شوق ہے تو دین کے تقاضوں کو پورا کر کے علم سیکھے، علم کے مطابق عمل کرے اور اسے دوسروں تک پہنچائے۔ اسے دکان نہ بنائے، نہ زرگری کے لئے استعمال کرے، نہ تجارت کا کاروبار بنائے، اسلام میں برہمنیت نہیں ہے، نہ پریسٹ ہوڈ ہے۔ ہر ایک کو آزادی ہے کہ علم دین سیکھے، اس پر عمل کرے اور اسے پھیلائے لیکن اگر علم نہیں تو علم کی دعوی داری نہ کرے، نہ فتوی دے، نہ دعوت وتبلیغ کے میدان میں اترے، نہ اسے کمال کا ذریعہ بنائے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں اور فریب کا بازار گرم کرتے ہیں انھیں آخرت کی وعید کو یاد رکھنا چاہیے۔ دین وعلم کے فریب کاروں کو چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

☆ علماء کون: علماء وہ ہوتے ہیں جو دین کو جانتے ہیں، دین میں انھیں مکمل درک حاصل ہوتا ہے، کامل بصیرت وہدایت یابی کے ساتھ اپنے علم کے مطابق عمل کرتے ہیں، انھیں حکمت الہی ملی ہوتی ہے جس سے حق وباطل، صحیح وغلط کے درمیان امتیاز کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور دین کے خلاف ہر سازش، فتنے اور فریب کاروں کے ہر فریب کو محسوس کر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا" (البقرہ:۲۶۹) جس کو حکمت عطا کی گئی اسے بہت بڑا خیر عطا کیا گیا۔ علماء فقہ، دین، علم اور امور دین ودنیا میں لوگوں کے لئے سہارا ہوتے ہیں۔ فقاہت ان کی ذات سے قائم ہوتی ہے، عوام میں ان کے فتاوی اور اقوال پر عمل ہوتا ہے۔ انھیں اختصاص حاصل ہوتا ہے استنباط احکام میں حلال وحرام کے قواعد ان سے منضبط ہوتے ہیں۔ علماء دین امام خلق ہوتے ہیں۔ انھیں یہ مقام کمال یقین اجتہاد اور اخلاص سے حاصل ہوتا ہے۔ رب کریم کا ارشاد ہے:

"وجعلنا منهم أئمة يهدون بأمرنا لما صبروا وكانوا بآياتنا يوقنون" (السجده:٢٤)

اور ان میں سے ہم نے امام بنا دیئے جو ہمارے حکم سے ہدایت حاصل کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں۔

☆ علماء امت کے خلاصہ ہیں، جوہر ہیں مشعل راہ ہیں، مینار ہدایت ہیں۔ یہی گروہ ہے جو اللہ کے دین میں گہری بصیرت اور فہم حاصل کرتا ہے۔ دعوت کی ذمہ داری نبھاتا ہے اور انجام کے متعلق خبردار کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وما كان المؤمنون لينفروا كافة فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فى الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا إليهم لعلهم يحذرون (التوبه:١٢٢)

یہ نہیں ہوسکتا کہ کل مومن نکل پڑیں پھر کیوں ایسا نہ ہو کہ ہر فرقے میں سے ایک گروہ نکلے تاکہ دین میں گہرا فہم حاصل کرے اور اپنی قوم کو آگاہ کرے جب ان کے پاس لوٹ کر جائے تاکہ وہ ڈریں۔

☆ علماء ہی لوگوں کے رہنما ہیں۔ قیامت تک ایسے لوگوں سے دنیا خالی نہ ہوگی یہی طائفہ منصورہ رہبر وپیشوا ہے۔ رسول پاک ﷺ نے فرمایا ہے:

"لاتزال طائفة من أمتى قائمة بأمرالله لا يضرهم من خذلهم أو خالفهم حتى يأتى أمر الله وهم ظاهرون على الناس" (مسلم ١٩٢٠)

میری امت میں ہمیشہ ایسا گروہ موجود رہے گا جو اللہ کی شریعت پر قائم رہے گا ان کے مخالفین اور ان کے درپے آزار لوگ انھیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے قیامت قائم ہونے تک یہ گروہ لوگوں پر غالب رہے گا۔

یہ حدیث کس پر دال ہے؟ اس سے جو مسئلے مستنبط ہوتے ہیں وہ اس طرح ہیں:

۱۔ امت کے جوہر وخلاصہ علماء حق ہیں۔ (۲) ایسے گروہ علماء سے کوئی دور خالی نہ رہے گا۔ (۳) ان کی پہچان یہ ہوگی کہ اللہ کی شریعت اور دین پر قائم رہیں گے (۴) علی وجہ البصیرت دین حق کے ساتھ وابستہ رہیں گے۔ (۵) لوگوں کی مخالفتیں اور ایذا رسانیاں جاری رہیں گی۔ یہ اٹل حقیقت ہے راہ حق میں یہ ہوتا ہے اس سے مفر نہیں

ہے۔(۶) یہ بھی سنت الٰہی ہے کہ علماء حق کے لئے علماء سوء کی مخالفتیں اور ایذا رسانیاں جاری رہتی ہیں لیکن اللہ کے حکم سے مضرت رساں نہیں ہوتی ہیں (۷) حق و باطل کے درمیان یہ کشمکش قیامت تک جاری رہے گا۔(۸) جیت علماء حق کی ہوگی، علماء سوء اور ان کے چیلے نہیں جیت سکتے۔

علماء حق کی پہچان ان کا علم ہوتا ہے جو انھیں دوسروں سے ممتاز کرتا ہے۔ جب زبانیں گنگ ہو جائیں، سچائی کسی کو راس نہ آئے، جھوٹ کا کاروبار زوروں پر ہو تب بھی ان کا علم بولے گا اور بولیں گے تو امام المرسلین کے موروث علم کی بولی بولیں گے۔

علماء حق کی پہچان یہ ہے کہ جب فتنوں کی آندھی چلے، شبہات کا بازار گرم ہو جائے، خیانت عام ہو جائے مالی اور منصبی خیانتیں پیشہ بن جائیں، حرام خوری عام ہو جائے، خیرات اور زکاۃ کے پیسوں پر داد عیش دیا جائے، دینی ذمہ داریوں کو شہرت اور کسب زر کا ذریعہ بنالیا جائے، ان حرام خوریوں پر سینہ پھلایا جائے اور شرمسار ہونے کے بجائے حرام خور جتھوں کو بچاؤ کا ذریعہ بنایا جائے حق گوئی کے خلاف مکر و فریب، کذب و افتراء کے دہانے کھول دیئے جائیں اس وقت بھی علماء حق ثابت قدم رہیں گے۔ علم دین، فقہ و بصیرت یقین و اذعان انھیں راسخ بنا دیتا ہے اور وہ پہاڑ کی طرح حق پر جمے رہتے ہیں۔ امام ابن القیم فرماتے ہیں:

ان الراسخ فی العلم لوووررت علیه من الشبه بعدد أمواج البحر ما أزالت یقینه، ولا قدحت فیه شکا لأنه قدرسخ فی العلم فلا تستفزه الشبهات بل إذا وردت علیه ردها حرس العلم وجیشه مغلولة مغلوبة (مفتاح دارالسعادة ۱/ ۱۴۰)

راسخ فی العلم عالم کے اوپر اگر شبہات سمندر کی موجوں کے برابر حملہ آور ہوں تب بھی اس کے یقین کو توڑ نہیں سکتے ہیں، نہ اس کے اندر شک پیدا کر سکتے ہیں۔ وہ چونکہ علم میں راسخ ہو چکا ہوتا ہے اس لئے شبہات اس کو ہلا نہیں سکتے ہیں، اس کے برعکس جب وہ اس کے اوپر حملہ آور ہوتے ہیں تو اس کے علم کا گارڈ اور اس کے علم کا لشکر انھیں پسپا کر دیتا ہے اور وہ مغلوب و مغلول ہو کر رہ جاتے ہیں۔ تقریر کے رسیا تقریر کو عموماً پیشہ بنا لیتے ہیں شہرت اور کسب زر ان کی تقریروں کا حاصل بن جاتا ہے۔ علماء صرف شور نہیں کرتے ہیں۔ ان کے کام میں بڑا تنوع ہوتا ہے مقررین عموماً راہ راست سے اتر جاتے ہیں اور سطحیت کے ایسے شکار ہو جاتے ہیں کہ خیالوں اور توہمات کی دنیا میں کھو کر رہ جاتے ہیں ہر دور میں دیکھئے علماء راسخ کی پہچان تقریر سے نہیں ہوتی ہے، رسوخ فی العلم، ثبات قلبی، ایمان کامل اور عمل صالح سے حاصل ہوتا ہے۔ تقریر عموماً ہر دور میں دنیادار لوگ ہی زیادہ کرتے ہیں یا علم کی دنیا کے نچلے درجے کے لوگ۔ جمہوریت اور سیکولر دور میں تقریر کا چلن بڑھ گیا ہے اور عموماً ان لوگوں نے اسے پیشہ بنالیا ہے جن کی آنکھ کا پانی اتر گیا ہے۔ تقریر کے میدان میں بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہیں جو حق پرست اور حق آگاہ ہوں۔ علماء حق اپنی ساری قوت، ساری انرجی اور سارے اوقات دین کے لئے لگا دیتے ہیں اور بدلے میں کسی شے کے طلبگار نہیں بنتے۔

☆ علماء حق کون ہیں؟ رسول اللہ ﷺ کی حدیث پڑھیں: آپ نے فرمایا:

"یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین، وانتحال المبطلین، وتاویل الجاهلین" (مشکوۃ حدیث: ۲۴۸)

اس علم کے حامل ہر خلف میں سے وہ لوگ ہوں گے جو عادل ہوں گے، اس علم کی طرف سے غلو پسندوں کی تحریف کو دفع کریں گے اور باطل پسندوں کی بدعات اور جاہلوں کی تاویلات کو دفع کریں گے۔ اس وقت تینوں کی سرگرمیاں زوروں پر ہیں۔ غلو پسندوں کی غلو پسندی دین میں تحریف لاتی ہے اور دین کی شکل بگاڑتی ہے۔ غلو چاہے روافض کی ہو، چاہے ان کے بھائی تحریکیوں کی ہو، چاہے مقلدین کی ہو سب سے دین کا اصل چہرہ مسخ ہوتا ہے۔ اس طرح باطل پر قائم بدعتوں کے موجد صوفیاء، قبر پرست، رجال پرست، علماء پرست لوگوں کی بدعتیں روز بروز بڑھ رہی ہیں اور دانشور جہلاء کی تاویلات کی کوئی حد نہیں رہ گئی ہے۔ ہر جاہل اپنی باطل تاویلات پر اڑا بیٹھا ہوتا ہے۔ دین کے نام پر زیرو ہے لیکن غرور علم کا بھاؤ ہی نہیں ملتا۔ لیکن ان تمام تاویلات، بدعات و انتحالات و تحریفات کا قلع قمع کرنے کے لئے علماء حق ہر دور میں موجود ہوتے ہیں۔ دین کے بچاؤ کی خاطر نہ وہ کسی سے ہراساں ہوتے ہیں نہ کسی سے دبتے ہیں۔ دین کی طرف سے دفاع کا فریضہ وہ انجام دیتے رہتے ہیں کوئی حربہ انھیں قول حق سے روک نہیں سکتا ہے۔

☆ علماء کو اولوالامر میں شمار کیا گیا۔ رب پاک کا ارشاد ہے:

"یا ایها الذین آمنوا أطیعوا الله وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم" (النساء:۵۹)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولی الامر کی اطاعت کرو۔ اولوالامر کون ہیں؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: ان سے علماء مراد ہیں جو دین کی تعلیم دیتے ہیں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام کرتے ہیں اور دین میں سمجھ وبصیرت رکھتے۔

یعنی أهل الفقه والدین وأهل طاعة الله الذین یعلمون الناس معانی دینهم ویأمرونهم بالمعروف وینهونهم عن المنکر فأوجب الله سبحانه طاعتهم علی عباده (الطبری۵:۱۴۹)

حصاص نے اولوالامر کے متعلق اقوال علماء کو پیش کرنے کے بعد فرمایا:

"ویجوز أن یکونوا جمیعا مرادین بالآیة لأن الاسم یتناولهم جمیعا لأن الأمراء یلون تدبیر الجیوش والسرایا، وقتال العدو، والعلماء یلون حفظ الشریعة وما یجوز ومالا یجوز فأمر الناس بطاعتهم والقبول منهم ما عدل الامراء والحکام وکان العلماء عدولا مرضیین موثوقا بدینهم وأمانتهم فیما یؤدون" (احکام القرآن للجصاص ۳/ ۱۷۰)

اولوالامر سے سبھی مراد ہو سکتے ہیں اس لئے کہ اولی الأمر بحیث اسم سب کو شامل ہے۔ امراء وحکام اس کے والی ہوتے ہیں کہ جیش سرایا اور عدو سے قتال کے مسائل دیکھیں اور علماء شریعت کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں اور جائز ناجائز کے ذمہ دار۔ اس لئے لوگوں کو حکم دیا گیا کہ ان سب کی اطاعت کریں امراء وحکام جب عدل کے ساتھ حکم کریں اس کو مانیں اور علماء جو کچھ کرتے ہیں اس میں امانت داری ہوتی ہے وہ دین سے جڑے ہوتے ہیں پسندیدہ اور عادل ہوتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ نے فرمایا:

"أولوالأمر أصحاب الأمر وذووه وهم الذین یأمرون الناس، وذلك یشترك فیه أهل الید والقدرة وأهل ا لعلم، والکلام فلهذا کان أولو الأمر صنفین العلماء والأمراء فاذا صلحوا صلح الناس وإذا فسدوا فسد الناس" (الفتاوی ۲۸/ ۱۷۰)

اولوالامر اصحاب امر اور حکومت والے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو حکم دیتے ہیں اسی طرح ان میں اصحاب قدرت اور حکومت اور اہل علم وکلام مشترک ہیں لہٰذا اولوالامر کی دو قسمیں ہوئیں: علماء وامراء اگر یہ درست رہیں لوگ درست رہیں گے اور اگر یہ بگڑ گئے لوگ بگڑ جائیں گے۔ انہوں نے مزید فرمایا:

"وقد کان النبی ﷺ وخلفاؤه ا لراشدون یسوسون الناس فی دینهم ودنیاهم ثم بعد ذلك تفرقت الأمور فصار أمراء الحرب یسوسون الناس فی أمر الدنیا والدین الظاهر، وشیوخ العلم یسوسون الناس فیما یرجع إلیهم من العلم والدین وهؤلاء أولوالأمر تجب طاعتهم فیما یأمرون به من طاعة الله التی هم أولو أمرها" (الفتاوی ۱۱/ ۵۵۱)

نبی ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین لوگوں کی رہنمائی ان کے دین ودنیا میں کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد معاملے بکھر گئے۔ اب امراء الحرب دنیاوی اور دین کے امور ظاہری میں لوگوں کی رہنمائی کرنے لگے اور شیوخ علم علم ودین میں لوگوں کے مرجع بن گئے۔ لہٰذا یہ اولوالامر میں طاعت الٰہی کے لئے یہ جو حکم دین اس میں ان کی اطاعت لازمی ہے کہ یہ لازمی ہے کہ یہ اولوالامر ہیں۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

"والظاهر والله أعلم أنها عامة فی کل أولی الأمر من الأمراء والعلماء" (تفسیر ابن کثیر ۱/ ۵۱۸)

اور ظاہر یہ ہے اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ آیت عام ہے امراء وعلماء دونوں اولوالامر کے متعلق ہے:

علامہ ابن القیم فرماتے ہیں:

"والتحقیق أن الأمراء انما یطاعون اذا أمروا بمقتضی العلم فطاعتهم تبع لطاعة العلماء فان الطاعة إنما تکون فی المعروف وما أوجبه العلم فکما أن طاعة العلماء تبع لطاعة الرسول فطاعة الأمراء تبع لطاعة العلماء ولما کان قیام الاسلام بطائفتی العلماء والأمراء

وكان الناس لهم تبعا كان صلاح العالم بصلاح هاتين الطائفتين وفساده فسادهما" (اعلام الموقعين ۱/ ۱۰)

اور تحقیق یہ ہے کہ امراء کی اطاعت اس وقت ہوگی جب ان کے اوامر علم کے تقاضوں کے مطابق ہوں۔ اس طرح ان کی اطاعت علماء کی اطاعت کے تابع ہے طاعت فقط معروف میں ہے اور اس میں جس کو علم واجب قرار دے۔ یوں جس طرح علماء کی اطاعت رسول کی اطاعت کے تابع ہے اسی طرح امراء کی اطاعت علماء کی اطاعت کے تابع ہے اور جب یہ طے ہے کہ اسلام کا قیام علماء وامراء انھیں دونوں گروہوں سے ہے اور لوگ ان کے تابع ہیں اس لئے سارے جہان کی اصلاح انھیں دونوں گروہوں کی اصلاح سے ہے اور سارے عالم کا فساد انھیں کے فساد سے ہے۔

☆ نوازل ومشاکل میں علماء سے رجوع کرنا ضروری ہے۔ اللہ سبحانہ تعالی نے لوگوں کے اوپر اسے واجب کر دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"فسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون" (الأنبياء:۷) اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔ اہل ذکر سے کون لوگ مراد ہیں؟ اہل ذکر کا لفظ سورۂ انبیاء کی آیت نمبر ے میں آیا ہوا ہے۔ یہ اس سیاق میں ہے کہ کفار مکہ کو یہ تعجب تھا کہ ان کے درمیان کے ایک آدمی پر کیسے وحی آ گئی ہے یہ وحی نہیں ہے یہ خواب وخیال ہے ۔وحی تو کسی فرشتے کو لے کر آنا چاہیے تھا اور انسانوں سے اسے خطاب کرنا چاہیے تھا۔ اس موقع پر یہ آیت اتری کہ رسول گرامی ﷺ سے قبل جتنے انبیاء آئے وہ انسان تھے اور انھیں وحی کی گئی پھر ارشاد ہوا کہ اس کی گواہی اہل کتاب بھی دیں گے جن کے پاس وحی کردہ کتابیں توریت، انجیل اور زبور موجود ہیں۔

اہل ذکر کا اطلاق آیت میں ان پر ہوا جن کے پاس اللہ کی وحی کردہ کتابیں اور تعلیمات موجود ہیں۔ کفار مکہ کو حکم ملا کہ وہ یہود ونصاری سے پوچھ لیں، وہ بتائیں گے کہ انبیاء ہمیشہ انسان ہوا کرتے تھے اور ان کے پاس وحی آتی تھی۔ امت اسلامیہ میں اہل الذکر کا اطلاق ان تمام علماء پر ہوگا جو کتاب وسنت کی تعلیمات سے آگاہ ہوں اور علی وجہ البصیرت لوگوں کو اسلام کے متعلق بتا سکتے ہوں۔ اہل الذکر میں شامل ہونے کے بعد ان کی پوزیشن امت میں یہ بن جاتی ہے کہ جو دین نہ جانیں ان کے اوپر لازم ہے کہ ان علماء اہل الذکر سے سوال کریں اور ان سے سیکھیں اور جانیں اور ان اہل الذکر علماء کے اوپر یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ دین حق لوگوں کو بتلائیں۔

آیت میں اہل علم کے بجائے اہل الذکر کہا گیا جس سے علم کو خاص الخاص بنا دیا گیا یعنی علم کا وہ خاص گوشہ جس کو قرآن وحدیث کے نصوص کا نام دیجئے جو ان نصوص کا حامل اور ماہر ہو اور ان کا فہم رکھتا ہو، ان سے استنباط کر سکتا ہو، ان کے مدلولات سے آگاہ ہو، تاویلات وتحریفات اور انتحالات کو ان کے قریب پھٹکنے نہ دیتا ہو، اسلاف کے معتبر فہم کے مطابق ان کا فہم رکھتا ہو ایسے عالم کو اہل الذکر کہا جائے گا اور اس سے دین پوچھنے کا حکم ہے اور اس کے اوپر دین بتانا لازم ہے۔

اس آیت پر خصوصی طور پر غور کیا جائے کہ اس میں اہل الذکر کے استعمال کی معنویت کیا ہے؟ اس لفظ سے علم وتعلم اور دعوت وتبلیغ کے وہ تمام سلسلے مرفوض قرار پاتے ہیں جن کی بنیاد کرایے کے علم پر ہو یا جن کی اساس قصہ، کہانی، افسانے، اکاذیب، منامات، ملفوظات، موضوعات اور ضعاف ہوں یا تقلیدی گورکھ دھندے ہوں یا اقوال رجال، ظن وتخمین، تخرصات اور بے اساس قیاسات اور آراء رجال ہوں۔ اس طرح آج کی میڈیا گردی پینل گردی بھی عموما جہل وفریب ہے اور لپاٹیے بہروپئے دانشوروں کی جہالت تو امت کو برباد کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ یہ دین کو صرف جیب اور پیٹ سے جوڑنا جانتے ہیں اور عموما ان کا سارا کاروبار دین صرف جیب پیٹ کے لئے ہوتا ہے۔ امت اسلامیہ میں یہ پانچواں کالم ہیں، انھیں کالی بھیڑیں کہہ لیں۔ یہ کالی بھیڑیں کہیں بھی جا سکتی ہیں اور خود بھی بھیڑیوں کا شکار ہو سکتی ہیں۔

امام شاطبی اہل الذکر سے سوال کرنے کی توجیہہ کرتے ہیں:

"ذلك أن السائل لا يصح أن يسأل من لا يعتبر في الشريعة جوابه لأنه إسناد للامر إلى غير أهله والإجماع على عدم صحة مثل هذا، بل لا يمكن في الواقع، لأن السائل يقول لمن ليس بأهل لما سئل عنه أخبرني عما لا تدري، وأنا أسند أمري لك فيما نحن بالجهل به على سواء، ومثل هذا لا يدخل في زمرة العقلاء" (الموافقات للامام الشاطبي ٤/ ٢٦٣)

اہل الذکر سے پوچھنے کی وجہ یہ ہے کہ سائل کے لئے ایسے شخص سے پوچھنا صحیح نہ ہوگا جس کا جواب شریعت میں معتبر نہیں ہے، ایسے شخص سے سوال کرنا نااہل کو دینی معاملہ سونپنا ہے اور اس طرح کے تصرف کی عدم صحت پر اجماع ہے۔ نااہل سے سوال کرنا حقیقت میں ناممکن ہے اس لئے کہ نااہل سے جب سوال کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سائل اس سے کہتا ہے مجھے وہ بتاؤ جو تمہیں معلوم نہیں ہے اور میں اپنا مسئلہ اس سلسلے میں تمہارے حوالے کرتا ہوں جس کے متعلق جہالت میں ہم تم

برابر ہیں اور ایسا شخص عقلمندوں کے زمرے میں داخل نہیں ہوسکتا ہے۔

اہل الذکر سے سوال کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ عوام کے مطاع ہیں اور ہر صحیح غلط میں ان کی بات مان لی جائے گی۔ اگر اہل الذکر سے دینی جانکاری حاصل کرنے کی صورت یہ بن جائے جیسا کہ تقلید کے باب میں ہوتا ہے تو یہ اللہ کے وعید میں داخل ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله" (التوبه:٣١)

انہوں نے (یہود ونصاری) اپنے علماء اور پروہتوں کو اللہ کے سوا متفرق رب بنالیا۔

آیت میں اہل الذکر سے سوال کرنے کا مطلب محض یہ ہے کہ لوگ علماء سے شریعت کا حکم معلوم کریں، بے آمیز دین تلاش کریں اور علماء کی ذمہ داری ہے کہ نصوص شریعت کی روشنی میں عوام کو صحیح بات بتادیں۔ نہ انھیں آراء رجال کے گورکھ دھندوں میں پھنسا کر دین سے دور کریں، نہ یہود ونصاری کی طرح احبار ورہبان بن کر لوگوں کے رب بن جائیں اور حلال وحرام جائز وناجائز کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیں۔

☆ علماء حق کی عظمت کا حال یہ ہے کہ اللہ نے ان کی عظمت بڑھائی اور اپنی الوہیت کا انھیں گواہ بنایا۔ ارشاد ربانی ہے۔

"شهدالله أنه لا إله الا هووالملائكة وأولو العلم قائما بالقسط لاإله إلا هوالعزيز الحكيم" (آل عمران:١٨)

اللہ نے گواہی دی ہے کہ معبود برحق صرف وہی ہے اور انصاف قائم کیے ہوئے ہے اور فرشتوں نے گواہی دی اور علماء نے بھی کہ معبود برحق وہی ہے سب پر غالب اور تمام حکمتوں کو سمیٹے ہوئے۔

اللہ کی الوہیت اور اس کا معبود برحق ہونا اصل واساس دین ہے۔ اسی پر تمام نظام جزاوسزا عمل وبے عملی قائم ہے اور کل دین کی گردش اس کے گرد ہے۔ اس حقیقت اور سچائی کی دعوت اور اس پر ایمان لانے کی تبلیغ سارے انبیاء، ساری کتب کرتی رہیں۔ معبود برحق کی کی گواہی کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی معرفت انھیں حاصل ہوتی ہے، اس کو انہوں نے جانا سمجھا، اس پر ایمان لائے، اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کیا اور اس کی لوگوں کو تبلیغ کی۔ تیسیر الکریم الرحمٰن میں ہے:

"فى هذه الآية فضيلة العلم والعلماء لأن الله نصهم بالذكرمن دون البشر، وقرن شهادتهم بشهادته وشهادة ملائكته، وجعل شهادتهم من أكبر الأدلة والبراهين على توحيده ودينه وجزاء ه وأنه يجب على المكلفين قبول هذه الشهادة العادلة الصادقة وفى ضمن ذلك: تعديلهم، وأن الخلق تبع لهم وأنهم هم الأئمة المتبوعين وفى هذا من الفضل والشرف، وعلوالمكانة مالا يقادر قدره" (١/١٥٤)

اس آیت میں علم وعلماء کی بڑی فضیلت ہے کیونکہ اللہ نے دوسرے انسانوں کے برعکس ان کا خصوصی ذکر کیا ہے اور ان کی گواہی کو اپنی گواہی اور اپنے فرشتوں کی گواہی سے جوڑ دیا ہے اور ان کی گواہی کو اپنی توحید، اپنے دین اور اپنے جزاء پر سب سے بڑی دلیل اور برہان مانا ہے۔ اور تمام مکلّف انسانوں کے اوپر واجب ہے کہ اس مبنی برانصاف سچی گواہی کو قبول کریں ضمنا آیت علماء کو عادل قرار دیتی ہے اور یہ بھی طے کرتی ہے کہ تمام خلق ان کے تابع ہے اور یہی لائق اتباع ائمہ ہیں۔ اس میں ان کی اتنی فضیلت شرف اور علومنزلت ہے کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے۔

علماء کی عظمت انبیاء کے بعد تمام مخلوق پر قائم ہے اور ان کی قدر ومنزلت لوگوں پر واجب ہے۔

☆ آیات متشابہات وآیات محکمات دونوں قرآن کریم میں ہیں۔ محکم آیات کے معانی واضح ہوتے ہیں۔ ان میں کسی طرح کا کوئی اشتباہ نہیں ہوتا ہے اور آیات متشابہات میں کئی معانی کا اشتباہ ہوتا ہے اس لئے انھیں آیات محکمات کے ساتھ ملایا جاتا ہے تاکہ ان کا اشتباہ دور ہوجائے یا یہ کہ ان کے معانی کا صحیح علم اللہ تعالی کو ہے یا ان کے معانی محکم آیات کے ساتھ ملانے سے معلوم ہوسکتے ہیں یا حتی الامکان بشری حدود تک ان کے معانی انسان کو معلوم ہوجاتے ہیں۔

ان متشابہات کے متعلق انسانی رویہ کیا ہوتا ہے؟ عموما لوگ ان سے فتنہ جوئی کرتے ہیں لیکن راسخین فی العلم کو ان کے متعلق کوئی اشتباہ نہیں ہوتا وہ پورے یقین واذعان کے ساتھ چلا اٹھتے ہیں کل من عندربنا سبھمارے رب کی طرف سے ہیں۔

آیات متشابہات کے پھیر میں معتزلہ، قدریہ، مرجئہ، جہمیہ، روافض، خوارج، ماتریدیہ، اشعریہ اور آج کے تحریکی، قبوری اور صوفیاء گمراہ ہوگئے لیکن علماء حق سلف صالحین اوران کی راہ پر چلنے والے ان آیتوں سے فتنہ جوئی کے بجائے عزم راسخ اور ایمان کامل اخذ کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"هوالذى أنزل عليك الكتاب منه آيات محكمات هن أم الكتاب وأخر متشابهات فأما الذين فى قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنه وابتغاء تاويله، وما يعلم تاويله إلا الله والراسخون فى العلم يقولون آمنا به كل من عند ربنا وما يذكر إلا أولوالالباب" (آل عمران:۷)

وہی ہے جس نے تمہارے اوپر کتاب اتاری اس کی آیتیں محکم بھی ہیں یہی اصل کتاب ہیں اور دوسری کچھ آیتیں متشابہ ہیں پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ کتاب کی متشابہ آیات کے پیچھے لگتے ہیں تاکہ فتنہ تلاش کریں اوران کی تاویل ڈھونڈیں جبکہ ان کی تاویل صرف اللہ جانتا ہے اور راسخین فی العلم کہتے ہیں ہمارا ان پر ایمان ہے سب ہمارے رب کی جانب سے ہیں اور نصیحت صرف سمجھ بوجھ والے ہی حاصل کرتے ہیں۔

اس آیت سے اندازہ لگایئے کتنے نتائج نکلتے ہیں:

ا۔آیتیں محکم اور متشابہ دوطرح کی ہیں۔(۲) محکم آیتیں ہی اصل کتاب ہیں جن کے معانی ومفاہیم واضح ہیں، ان میں اوامر ومناہی، احکام ومسائل اور قصص وحکایات ہیں جن کا مفہوم اٹل ہے منطوق ہے ان کے سمجھنے میں کوئی اشکال نہیں ہے (۳) اس کے برعکس متشابہ آیتیں ہیں جن کا تعلق غیبیات سے ہے جیسے صفات الٰہی، قضاء وقدر اور غیبی مخلوقات، روح، عذاب قبر، احوال قبر، جنت، دوزخ، حشر ونشر، جزاء وسزا، کوثر وپل صراط وغیرہ کے حقائق اور تفصیلات۔(۴) محکم آیتیں عموماً لوگوں کے لئے قابل فہم ہوتی ہیں ان میں کسی کو بمشکل اشکال ہوتا ہے۔(۵) متشابہات کے متعلق لوگوں کا نقطہ نظر مختلف ہوتا ہے۔(۶) گمراہ دل کے روگی متشابہات سے بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔(۷) ان کو محکمات سے جوڑے بغیر اپنے مادی پیمانہ فکر وفہم کے مطابق ان سے معانی کشید کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کے لئے یہ ممکن نہیں ہوتا ہے۔متشابہات کے مفاہیم کی تعیین بشری حدوامکان سے باہر ہے مگر دل کے روگیوں کو ان کے اندر اتنی دلچسپی پیدا ہوجاتی ہے کہ ان کے حقیقی معانی دریافت کرنے میں لگ جاتے ہیں اور حیرانی کے شکار ہوتے ہیں، بشری طاقت سے باہر جاکر جب ان کے معانی دریافت کرنے میں لگتے ہیں تو ان کی اس ناروا کوشش کے نتیجے میں انھیں فتنہ ہاتھ لگتا ہے اور ان کی ایسی ساری تگ ودو فتنہ جوئی کے مترادف ہوتی ہے۔(۸) آیت کریمہ کی واضح ہدایت یہی ہے کہ متشابہات کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے، انسان کے بس میں نہیں کہ غیبیات کے صحیح مفاہیم کا ادراک کرسکے۔مگر انسانی طبیعت کا عجیب المیہ ہے کہ آج تک فتنہ جو لوگ متشابہات کے پیچھے ہی پڑتے ہیں۔آج قرآن کریم سے متعلق فتنہ جوئی کی ایک مہم نظام القرآن کافراہی فتنہ ہے جس نے بڑے بڑے علم کے دعوی داروں کا دین وایمان غارت کردیا۔اب بھی لوگوں کی آنکھیں نہیں کھلتی ہیں اور لوگ اسے علاقائی ساماگری بنائے پھیری لگانے والوں کی طرح اس کی بکری کے لئے آواز لگاتے رہتے ہیں۔اس وقت فتنہ جو حضرت قرآن کو سائنس کے حوالے کرنے کی بات کرتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ قرآن کو سائنس جانے بغیر سمجھا نہیں جاسکتا۔سوال یہ ہے کہ کیا عقائد، اعمال، ایمانیات، عبادات، حلال وحرام، حقوق ومعاملات، جنت وجہنم، جزاء وسزا، حشر ونشر، آداب واخلاق کو سائنس کے ذریعہ سمجھیں گے کیا سائنس کے بغیر جن لوگوں نے سمجھا ان کا فہم دین فہم قرآن معتبر نہیں ہے۔کیا اللہ کی ذات صفات، اس کی ربوبیت، الوہیت، قضاوقدر، ملائکہ، عذاب قبر، روح، جن، ان کی سرگرمیاں، سبع سماوات، سبع ارضین، سائنس سے سمجھیں گے۔کیا کہا جائے عقل کے پرستاروں کو؟ مغرب نے سائنس میں ترقی کی سائنس نے انھیں جانور بنادیا۔بلکہ کتا وسور سے بدتر بنادیا ان کو سائنس نے بجز قزاقی وقساوت کیا دیا؟ انھیں بھیڑیا اور لٹیرا بنادیا، ان کے دل پتھر بن گئے، احساسات پتھرا گئے۔انھیں مادی فوائد ضرور ملے لیکن یہ بھی اکثر بے گناہوں کو مار کر ان سے چھین کر۔سائنس کیا ہے ایک انسانی کاوش اور ملحدوں کی مادی کاوش اوران کی یہ کاوش بھی کافرانہ ہے۔اس کا صحیح رخ اگر ہوسکتا ہے تو یہ کہ اس کائنات کے کارخانے میں کیا نوامیس کونیہ ہیں انھیں جانا جائے۔ایک مسلمان یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رب العالمینی پوری کائنات میں کارفرما ہے، وہی رب ہے اس کے نوامیس کونیہ یا سنن الٰہیہ اس میں لاگو ہیں اور اس کا نظام قدر انھیں چلا رہا ہے۔کائنات کے اندر جاری اللہ کے سنن کا کس کو کس حد تک پتہ چل سکتا ہے۔اگر انسان کو سنن الٰہیہ کا بہت بہت معمولی حصہ کھربوں سنن میں سے ایک قانون مثلاً

معلوم ہوجائے پھراس کے اوپر لاگو قضاوقدر کی معرفت کیسے مل سکتی ہے اور اگر مائکرونالج انسان کو مل جائے تو پھر سوال ہے اس کے بعد اس کا صحیح استعمال کیا ہو؟ قرآنی۔ اس کا صحیح مصرف ہے اللہ پر بھروسے میں اضافہ، کائنات میں غور کرکے ہر فرد سامان بصیرت روز حاصل کرسکتا ہے، عامی بھی بصیرت حاصل کرسکتا ہے، علمی اصولوں کی بنیاد پر سائنس داں اگر عام لوگوں کے مقابلے میں زیادہ بصیرت حاصل کرے تو اس کے ایمان میں اضافہ ہونا چاہیے۔(۹) علماء راسخین اپنی حد استطاعت اور دائرہ کار سے نکلتے نہیں ہیں وہ اللہ کی اتاری تمام آیات کو تسلیم کرتے ہیں اور حد بشری تک متشابہات کا فہم حاصل کرتے ہیں اور جو ان کے ادراک سے باہر ہے اسے اللہ کے حوالے کردیتے ہیں۔علماء راسخین کا یہی کام ہے۔

☆ علماء اور غیر علماء اللہ کی نگاہ میں برابر نہیں ہوسکتے۔رب کریم کا ارشاد ہے:

"قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون" (الزمر:٩)

کہہ دو کیا وہ لوگ جو جانتے اور وہ لوگ جو نہیں جانتے برابر ہوسکتے ہیں۔

علماء اور عوام برابر نہیں ہوسکتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ نے طے کردیا ہے۔اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ شریعت میں علماء کا بڑا اعتبار ہے اور ان کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ان کے سوا عوام میں سے کسی کو یہ اعتبار اور مرتبہ حاصل نہیں ہے۔علماء کا مقام تمام مومنوں میں سب سے زیادہ ہے اور تمام مومنوں کا کافروں سے کہیں زیادہ برتر مرتبہ ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"يرفع الله الذين آمنوا منكم والذين أوتوا العلم درجات" (المجادلة:١١) اللہ کئی درجے انھیں بلندی عطا فرماتا ہے جو تم میں سے ایمان لائے ہوں اور انھیں جن کو علم دیا گیا۔

☆ علماء اللہ کے دینی مراد کو سب سے زیادہ سمجھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"وتلك الأمثال نضربها للناس وما يعقلها إلا العالمون" (العنكبوت:٤٣)

یہ مثالیں ہیں جنھیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور انھیں صرف علماء سمجھتے ہیں۔

امثال عام فہم ہوتے ہیں، انھیں عوام کے لیے خصوصی طور پر بیان کیا جاتا ہے تاکہ ان کے فہم میں جلد آجائیں مگر یہ امثال بھی صحیح معنوں میں علماء ہی سمجھتے ہیں۔یہ امثال اللہ کی الوہیت اور اس کے معبود برحق ہونے کی وضاحت اور تفہیم کے لئے ہوتے ہیں۔معاملہ اللہ کی الوہیت کا ہوتا ہے اس لئے اس مسئلے کو اور اس کے لئے بیان کردہ امثال اور دلائل کو ان کے سوا کوئی دوسرا نہیں سمجھتا ہے۔

علامہ ابن کثیر اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں:

"وما يفهمها ويتدبرها إلا الراسخون فى العلم المتضلعون منه" (تفسير القرآن العظيم ٦/٢٧٩)

ان مثالوں کو علم میں رسوخ رکھنے والے اور اس میں مہارت والے ہی سمجھتے ہیں اور ان پر غور کرتے ہیں۔

شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی فرماتے ہیں:

ولكن ما يعقلها بعضها وتدبرها وتطبيقها على ما ضربت له، وعقلها فى القلب (إلا العالمون)أى إلا أهل العلم الحقيقى الذين وصل العلم إلى قلوبهم، وهذا مدح للأمثال التى يضربها وحث على تدبرها وتعلقها ومدح لمن يعقلها، وأنه عنوان على أنه من أهل العلم فعلم أن من لم يعقلها ليس من العالمين والسبب فى ذلك أن الأمثال التى يضربها الله فى القرآن إنما هى للأمور الكبار والمطالب العالية والمسائل الجليلة فأهل العلم يعرفون أنها أهم من غيرها لا عتناء الله بها وحثه عباده على تعقلها وتدبرها فيبذلون جهدهم فى معرفتها وأما من لم يعقلها مع أهميتها فان ذلك دليل على أنه ليس من أهل العلم لأنه إذا لم يعرف المسائل المهمة فعدم معرفته غيرها من باب اولى وأحرى ولهذا أكثر ما يضرب الله الأمثال فى أصول الدين ونحوها (٢/٨٧-٨٧١)

لیکن غور وفکر کر کے اور سمجھ کر اور جس کے لیے ان امثال کو بیان کیا گیا اس پر تطبیق دے کر قلبی طور پر انھیں جان کر صرف علماء سمجھتے ہیں۔یعنی وہ حقیقی علم رکھنے والے علماء جن کے دلوں میں علم اتر چکا ہوتا ہے۔ یہ مدح ہے ان امثال کی جنھیں اللہ نے بیان کیا ہے اور ان پر غور کرنے اور انھیں سمجھنے کے لئے آمادہ کیا ہے اور یہ آیت مدح ہے ان کی جو انھیں سمجھتے ہیں اور یہ اہل علم کے لئے عنوان ہے اس لئے معلوم ہوا کہ جو انھیں نہیں سمجھتا ہے اس کا تعلق علماء سے نہیں ہے اور سبب یہ ہے کہ وہ امثال جنھیں قرآن میں اللہ نے بیان کیا ہے وہ بڑے امور کے لئے ہیں اور بڑے اہم مطالب کے لئے ہیں اور عظیم مسائل کے لئے ہیں اسی لئے اہل علم جانتے ہیں وہ دوسرے امور سے اہم ہیں کیونکہ اللہ تعالی نے ان کے ساتھ اہتمام کیا ہے اور اپنے بندوں کو انھیں سمجھنے اور ان پر غور کرنے کا حکم دیا ہے اس لئے وہ انھیں جاننے کے لیے پوری کوشش کرتے ہیں اور جو شخص انھیں ان کی اہمیت کے باوجود نہ سمجھے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا تعلق اہل علم سے نہیں ہے کیونکہ اس نے مسائل مہمہ کو نہیں سمجھا تو ان کے سوا دیگر مسائل کی معرفت اسے حتمی طور پر انہیں حاصل ہوگی اسی لئے اکثر اللہ تعالیٰ اصول دین وغیرہ امور میں امثال بیان کرتا ہے۔

☆ علماء اللہ سے سب سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ارشاد باری ہے:

"إنما يخشى الله من عباده العلماء" (فاطر:۲۸) اللہ کے بندوں میں علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔

آیت سے یہ طے ہوتا ہے کہ حقیقی معنوں میں خشیت صرف علماء کے ہاں پائی جاتی ہے۔علامہ ابن القیم فرماتے ہیں:وهذا حضر الخشية فى أولى العلم، وقال تعالى (جزاؤهم عند ربهم جنات عدن تجرى من تحتها الأنهار خالدين فيها أبدا رضى ا لله عنهم ورضوا عنه ذلك لمن خشى ربه (البينة:۸) وقد أخبر أن أهل خشيته هم العلماء فدل على أن الجزاء المذكور للعلماء بمجموع النصين مفتاح دارالسعادة (۵۱/۱)

یہ حصر ہے کہ اللہ کی خشیت اولوالعلم میں ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے جنت عدن جس کے نیچے ندیاں بہتی ہیں وہاں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔اللہ ان سے خوش ہوا اور وہ اللہ سے خوش ہوئے۔یہ سب ان کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔اللہ نے خبر دی ہے کہ اللہ سے ڈرنے والے علماء ہیں دونوں آیتوں سے یہ دلیل بنتی ہے کہ مذکورہ جزاء علماء کے لئے ہے۔

خشیت الٰہی بڑی خوبی ہے۔ان آیتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علماء کے لئے ان کی خشیت کی بناء پر ان کے لیے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔علماء کو علم میں کمال حاصل ہوتا ہے اس لئے وہ اللہ سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ان کو اللہ کی معرفت زیادہ ملی ہوئی ہے اسی لئے اس سے زیادہ محبت کرتے ہیں زیادہ لو لگاتے ہیں اور اس کے عذاب سے زیادہ ڈرتے ہیں۔